ماہنامہ

اشراق

لاہور

نومبر ۲۰۱۵ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

”خدا نے انسان کو پیدا کیا تو دو چیزیں اُس کے اندر رکھ دیں: ایک یہ احساس کہ اُس کا ایک بنانے والا ہے جو اُس کا مالک ہے۔ دوسرے یہ احساس کہ کیا عمل اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ خدا نے اِس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں انسان کے اندر رکھی ہیں جنھیں یاد دلایا جائے تو وقت کے ساتھ انسان کے علم اور عمل میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں بھی اسی طرح رکھی گئی ہیں۔“

—— مقامات

المورد

فہرست

اس شمارے میں		
اس شمارے میں	نعیم احمد	۴
قرآنیات		
البیان: الحجر ۱۵: ۲۶-۴۸ (۲)	جاوید احمد غامدی	۵
معارف نبوی		
اچھائی اور برائی کی ابتدا کرنے کا صلہ	معز امجد / شاہد رضا	۱۱
مقامات		
دین کا ماخذ	جاوید احمد غامدی	۲۱
سیر و سوانح		
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۴)	محمد وسیم اختر مفتی	۲۴
نقطۂ نظر		
سید احمد شہید کا تبلیغی، جہادی اور اصلاحی کردار ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۳۴
تعدد ازواج کی آیت کا مطالعہ (۱)	رضوان اللہ	۴۲
ادبیات		
تلقین صبر	میر ببر علی انیس	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات''میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ حجر (۱۵) کی آیات ۲۶-۴۸ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ان آیات میں بتایا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کے ساتھ رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ ان کے کفر کا اصل سبب ابلیس کی وہ دھمکی ہے جو اس نے آدم کو سجدہ سے انکار کر کے مہلت کی صورت میں حاصل کی تھی کہ میں آدم کی ساری ذریت کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کی مہلت دی اور فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔

''معارف نبوی'' کے تحت شاہد رضا صاحب کے مضمون ''اچھائی اور برائی کی ابتدا کرنے کا صلہ'' میں ذکر ہے کہ جس شخص نے اطاعت اللہ کے ساتھ اسلام میں ایک اچھے طریقے کی ابتدا کی تو اس کے لیے نہ صرف اس عمل کا اجر ہے، بلکہ اس پر عمل کرنے والے کے اجر میں بھی وہ شریک ہوگا۔اس کے برخلاف جس نے برے طریقے کی ابتدا کی تو اس کے لیے نہ صرف اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے عمل کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل پیرا ہو گا۔ یہ معز امجد صاحب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

''مقامات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا مضمون ''دین کا ماخذ'' شائع کیا گیا ہے۔اس مضمون میں انھوں نے دین اسلام کے ماخذ اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں وضاحت کی ہے۔

''سیر وسوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون کے آخری حصے میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے تعلیم و تعلم سے لگاؤ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھ کر آگے پہنچانے کو واضح کیا ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب نے اپنے مضمون میں سید احمد شہید کی حیات اور خدمات کے بارے ہزارہ یونیورسٹی میں منعقدہ ایک بین الاقوامی کانفرنس کا احوال بیان کیا ہے۔اسی کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون میں تعدد ازواج پر قرآن پاک کی ایک آیت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

''ادبیات'' میں میر ببر علی انیس کی نظم ''تلقین صبر'' شائع کی گئی ہے۔اس میں اولاد کی موت پر والدین کو صبر کی تلقین کا ذکر ہے۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الحجر

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۶﴾ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ
مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ

(یہ ابلیس کے فریب میں آئے ہوئے لوگ ہیں)۔ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا تھا اور اِس سے پہلے جنوں کو لو کی لپٹ سے پیدا کیا تھا۔[59] اِنھیں یاد دلاؤ، جب تمھارے

[59] یہ آگے کی بات کے لیے تمہید ہے اور ابلیس و آدم کی بناے مخاصمت کو واضح کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے۔ اِس سے اِن مخلوقات کے عناصر خلقت کا سراغ دینا مقصود نہیں ہے۔ تاہم اتنی بات اِس سے یقیناً واضح ہو جاتی ہے کہ انسانوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنوں کو لو کی لپٹ سے پیدا کیا۔ پھر انسان کو مٹی سے بنانے کا فیصلہ کیا تو اُس کا حیوانی وجود بالکل اُسی طرح زمین کے پیٹ میں تخلیق فرمایا، جس طرح وہ اب ماں کے پیٹ میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ دریاؤں اور سمندروں کے کنارے کی کیچڑ میں کسی جگہ نطفہ کے قسم کی کوئی چیز پیدا ہوئی جس کے اوپر کی کیچڑ خشک ہو کر بیضے کی شکل اختیار کر گئی۔ قرآن نے اِسی کو کھنکھناتی مٹی سے تعبیر کیا ہے۔ تخلیق کے مختلف مراحل سے گزر کر انسان اُس بیضے سے اُسی طرح نمودار ہو گیا، جس طرح انڈوں سے بچے نکلتے ہیں۔ تمام جان دار پہلے مرحلے میں غالباً اِسی طریقے سے پیدا کیے گئے۔ پھر اُن کا

صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا
لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ اَبٰۤی اَنۡ
یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾

پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ سو جب میں اُس کو پورا بنا لوں اور اُس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں[۶۰] تو تم سب اُس کے آگے سجدہ ریز ہو جانا۔[۶۱] پھر (ہوا یہ کہ) تمام فرشتے سجدے میں گر پڑے (اور جنات بھی[۶۲])، ابلیس کے سوا۔ اُس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ خدا نے پوچھا: اے ابلیس، تیرا کیا

تسویہ ہوا اور اُن میں اپنی نسل آپ پیدا کر لینے کی صلاحیت ودیعت کر دی گئی۔ قرآن مجید میں 'اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ'* اور 'اَنۡبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا'** کی تعبیرات اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۶۰؎ یہ امور متشابہات میں سے ہے جن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ یہی وہ لطیف پھونک ہے جس سے انسان کے حیوانی وجود میں وہ چیز داخل ہوئی جسے انسان کہا جاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بھی یہ اِسی مرحلے میں پھونکی جاتی ہے۔ اِس سے پہلے انسان، انسان نہیں ہوتا، صرف ایک حیوان ہوتا ہے جو تخلیق کے مختلف مراحل سے گزر کر انسانی شخصیت کے لیے ایک ایسا قالب بن جاتا ہے کہ اب اُس میں یہ روح پھونک دی جائے۔

۶۱؎ یہ حکم امتحان کے لیے دیا گیا۔ اِس سے مقصود یہ تھا کہ آدم پر واضح ہو جائے کہ اصلی سرفرازی نور یا نار سے پیدا ہونے میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں ہے۔

۶۲؎ آگے 'اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ' کے الفاظ ہیں۔ قرآن میں صراحت ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا۔ اِس سے آپ سے آپ واضح ہوا کہ جنات چونکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے فرشتوں سے زیادہ دور نہیں ہیں، اِس لیے اُنھیں جب سجدے کا حکم دیا گیا تو علیٰ سبیل التغلیب جنات بھی اِس حکم میں شامل تھے۔ یہ بات چونکہ 'اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ' کے استثنا سے واضح

* ہود ۱۱: ۶۱۔ النجم ۵۳: ۳۲۔ ''اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا۔''

** نوح ۷۱: ۱۷۔ ''اللہ ہی نے تمھیں خاص اہتمام کے ساتھ زمین سے اگایا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ

معاملہ ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا؟ اُس نے جواب دیا: میں اِس کے لیے تیار نہیں کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے[۶۳]۔ فرمایا: (یہ بات ہے) تو یہاں سے[۶۴] نکل جا، اِس لیے کہ تو راندۂ درگاہ ہے اور تجھ پر روز جزا تک لعنت ہے۔ اُس نے عرض کیا: پروردگار، پھر مجھے اُس دن تک کے لیے مہلت دے دے، جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا: تو بھی اُنھی میں سے ہے جنھیں اُس مقرر وقت کے دن تک کے لیے مہلت دی گئی ہے۔ اُس نے کہا: پروردگار، جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے[۶۵]، اُسی طرح اب میں بھی اِن کے لیے زمین

ہو جاتی ہے، اِس لیے قرآن نے اِسے الفاظ میں بیان نہیں کیا۔

۶۳؎ انسان جب علم، دولت، حسن یا اقتدار میں اپنے آپ کو دوسروں سے برتر دیکھتا ہے تو ابلیس کا یہی استدلال ہے جو اُسے حق کے مقابل میں اکڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اپنی خلقت کے لحاظ سے فرشتے جنات سے بھی برتر تھے، مگر اُنھوں نے یہ احمقانہ استدلال نہیں کیا، بلکہ سجدے کے حکم کو خدا کا امتحان سمجھا اور بغیر کسی تردد کے امتثال امر کے لیے تیار ہو گئے۔

۶۴؎ یعنی آسمان سے، جہاں ابلیس بھی فرشتوں کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ عربی زبان میں آسمان کے لیے 'السَّمَآء' کا لفظ ہے۔ آیت میں 'هَا' کی ضمیر اسی کے لیے آئی ہے۔

۶۵؎ آیت میں اِس کے لیے 'بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ' کے الفاظ آئے ہیں۔ ابلیس نے یہ بات کیوں کہی؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''اِغۡوَا' کے معنی گمراہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کے معاملے میں اپنے آپ کو بجانب حق خیال کرتا تھا، اِس وجہ سے اُس نے نہایت گستاخانہ انداز میں فعل 'اِغۡوَا' کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا۔

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ
مُسۡتَقِیۡمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۴۲﴾
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ

میں دل فریبیاں پیدا کروں گا اور اِن میں سے تیرے منتخب بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ فرمایا: یہ (بندگی کا راستہ) ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے[۶۶]۔ میرے بندوں پر تیرا ہرگز کوئی زور نہیں چلے گا۔ تیرا زور صرف اُنھی پر چلے گا جو بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے تیری پیروی کریں گے[۶۷] اور اِن سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے[۶۸]۔ اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے اُن

مطلب یہ کہ اگر میں اِس حکم کی عدم تعمیل کے باعث سے گمراہ ٹھیرا تو اِس میں میرا قصور نہیں ہے، بلکہ یہ حکم ہی ایسا تھا کہ میں اِس کی تعمیل نہیں کر سکتا تھا۔ اِس وجہ سے اگر میں اِس کے سبب سے گمراہ ہوا تو اِس پر تو نے ہی مجھے مجبور کیا۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۳۵۹)

۶۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ'۔ اِن میں 'صِرَاط' کے بعد 'عَلٰی' عربیت کے خاص اسلوب کے مطابق آیا ہے۔ قرآن اور کلام عرب، دونوں کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں یہ اسلوب اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب کسی راستے کے بارے میں یہ بتانا مقصود ہو کہ وہ ایسا سیدھا ہے کہ اپنے رہرووں کو خود منزل پر لا ڈالتا ہے۔

۶۷؎ اِس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ شیطان اُنھی کو گمراہ کر سکتا ہے جو خود گمراہ ہونا چاہتے ہوں۔ اللہ کے جو بندے گمراہی سے بچنے کا ارادہ کر لیں اور سیدھی راہ کے سچے طالب بن کر زندگی بسر کریں، اُن پر اُس کی ترغیبات کبھی اِس درجے میں اثر انداز نہیں ہوتیں کہ وہ کسی ایسی گمراہی میں پڑ جائیں جو باعث ہلاکت ہو۔

۶۸؎ اصل الفاظ ہیں: 'اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ'۔ اِن میں زور لفظ 'اَجۡمَعِیۡنَ' پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ ابلیس کے قول 'لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ' کے جواب میں استعمال فرمایا ہے۔ اُس نے بڑے طنطنے کے ساتھ دعویٰ کیا کہ میں سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اُسی زور کے ساتھ فرمایا کہ پھر میں بھی اُن سب کو جہنم رسید کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مَّقۡسُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۴۵﴾ اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۴۶﴾
وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمۡ
فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِیۡنَ ﴿۴۸﴾

میں سے ایک حصہ خاص کر دیا گیا ہے[۶۹]۔ (اِس کے برخلاف) جو خدا سے ڈرنے والے ہیں، وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (اُن سے کہا جائے گا): اِن میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر رہو۔ اُن کے سینوں کی کدورتیں ہم نکال دیں گے۔ وہ آمنے سامنے تختوں پر بھائی بھائی کی طرح بیٹھے ہوں گے۔ اُنھیں وہاں نہ کوئی تکان لاحق ہو گی[۷۰] اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ ۴۶-۴۸

۶۹؎ مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ایسی جہنم کہاں سے مہیا ہو گی جو اتنے سب لوگوں کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ اِس طرح کے مجرموں کے لیے جو جہنم تیار کی گئی ہے، وہ ایسی وسیع ہے کہ اُس کے سات دروازے ہوں گے جن سے جہنمیوں کے گروہ اُن کے جرائم کے لحاظ سے الگ الگ داخل کیے جائیں گے۔ قرآن نے جن چیزوں کو اصلی مہلکات قرار دیا ہے، وہ اگر شمار کی جائیں تو سات عنوانات کے تحت آ جاتی ہیں*۔ شیطان اُنھی میں سے کسی ایک یا سب میں مبتلا کر کے لوگوں کو جہنم کے راستے پر ڈالتا ہے۔ یہ درجہ بندی غالباً اِنھی مہلکات کے لحاظ سے ہو گی۔

۷۰؎ یہ کس درجے کی نعمت ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...بہتر سے بہتر عیش و آرام کی زندگی بھی کسی کو حاصل ہو، لیکن اُس میں تجدد و تنوع نہ ہو تو آدمی بجھ کے رہ جاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کو اِس صورت حال سے سابقہ پیش نہیں آئے گا۔ اُس میں ابدی عیش و آرام کی زندگی بھی ہو گی اور ہر لمحہ خدا کی نعمتوں میں ایسی گوناگونی و بوقلمونی بھی ہو گی کہ اہل جنت کی طبیعت کبھی اُس سے اچاٹ نہیں ہو گی۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۳۶۲)

[باقی]

---

* بنی اسرائیل ۱۷: ۲۲-۳۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

اچھائی اور برائی کی ابتدا کرنے کا صلہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَنَّ فِى الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِى الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ.

وَ رُوِىَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِى [قَدْ أُمِيْتَتْ بَعْدِى][1] فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ أَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَيْئًا.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے[1]) اسلام میں ایک اچھے طریقے کی ابتدا کی، (قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ اس شخص کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا، ان کے اجروں میں

کچھ کمی کیے بغیر[۲]۔ (اس کے برخلاف) جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی، (قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے بوجھ کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا، ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر۔

اور روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی سنت کو، [جو کہ میرے بعد نظر انداز ہو چکی تھی]، زندہ کیا اور لوگوں نے پھر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا، تو اس شخص کو ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس سنت پر عمل کریں گے، ان کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (اس کے برخلاف)، جس شخص نے کسی بدعت کی ابتدا کی اور اس پر عمل بھی کیا گیا، تو اس پر ان لوگوں کا بوجھ بھی ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے۔ جن لوگوں نے اس بدعت پر عمل کیا، ان کے بوجھ میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ 'قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي' (جو کہ میرے بعد نظر انداز ہو چکی تھی) کے الفاظ ترمذی، رقم ۲۶۷۷ اور ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ سے لیے گئے ہیں۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کسی شخص کے وہی اعمال اجر کا استحقاق رکھتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صادر ہوئے ہوں۔ ''اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے'' کے الفاظ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے ہر شخص کو اس کے اعمال صالحہ کا صلہ ملے گا۔ اس کے اعمال اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے محروم نہیں ہوں گے۔ دیگر لوگوں کو اچھائی کی دعوت دینا بھی فی نفسہٖ ایک اچھائی ہے اور داعی نہ صرف دوسرے لوگوں کو اچھائی کی ترغیب کا صلہ پائے گا، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی شریک ہوگا جو اس کی ترغیب پر اعمال صالحہ ادا کریں گے۔ اس سے آخرت میں جزا و سزا کے ایک اصول کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

آخرت میں آدمی نہ صرف اپنے اعمال کے بدلے میں جزا یا سزا کا مستحق ہوگا، بلکہ اپنے اعمال کا ثمر پائے گا یا ان کے نتائج کا بوجھ برداشت کرے گا۔ ''اچھے طریقے کی ابتدا'' کا مطلب کسی شخص کے عمل کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کو اچھائی کی ترغیب دینا اور اس کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ چنانچہ اچھے طریقے کی ابتدا کرنے والا، اولاً، اپنے اس عمل کا اجر پائے گا اور، ثانیاً، ان لوگوں کے اجر میں بھی شریک ہوگا جو اس کے عمل صالح کے ذریعے سے اس کے نقش قدم پر چلیں گے۔ برائی کی ابتدا کرنے والے کے لیے بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔

متون

پہلی روایت بعض اختلافات کے ساتھ مسلم، رقم ۱۰۱۷ الف، ۱۰۱۷ ب، ۱۰۱۷ ج، ۱۰۱۷ د؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵؛ نسائی، رقم ۲۵۵۴؛ ابن ماجہ، رقم ۲۰۳-۲۰۴، ۲۰۷؛ احمد، رقم ۱۰۵۶۳، ۱۰۷۶۹، ۱۹۱۷۹-۱۹۱۸۰، ۱۹۱۹۷-۱۹۱۹۸، ۱۹۲۰۶، ۱۹۲۲۳، ۱۹۲۲۵، ۱۹۲۲۹، ۲۳۳۳۷؛ ابن حبان، رقم ۳۳۰۸؛ بیہقی، رقم ۷۵۳۰-۷۵۳۱؛ مسند حمیدی، رقم ۸۰۵؛ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۳۳۵؛ ابن خزیمہ، رقم ۲۴۷۷؛ دارمی، رقم ۵۱۲، ۵۱۴؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۹۸۰۲ اور عبدالرزاق، رقم ۲۱۰۲۴-۲۱۰۲۵ میں روایت کی گئی ہے۔

دوسری روایت بعض اختلافات کے ساتھ ترمذی، رقم ۲۶۷۷ اور ابن ماجہ، رقم ۲۰۹-۲۱۰ میں روایت کی گئی ہے۔

پہلی روایت

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۳ میں 'من سن فی الإسلام سنة حسنة' (جس شخص نے (اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے) اسلام میں ایک اچھے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ کے بجائے 'من سن سنة حسنة' (جس شخص نے اچھے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں، جبکہ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'من سن سنة خیر' (جس شخص نے اچھے طریقے کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛ احمد، رقم ۲۳۳۳۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'من سن خیرًا' (جس شخص نے بھلائی کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۹۸۰۳ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'من سن فی الإسلام سنة صالحة' (جس شخص نے اسلام میں ایک صالح طریقے کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛ عبدالرزاق، رقم ۲۱۰۲۵ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'من سن سنة صالحة فی الإسلام' (جس شخص نے اسلام میں ایک صالح طریقے کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛

ابن ماجہ، رقم ۲۰۴ میں ان الفاظ کے بجاے 'من استن خیرًا' (جس شخص نے بھلائی کی ابتدا کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۰۵۶۳ میں ان الفاظ کے بجاے 'من سنة هدی' (جس شخص نے ہدایت کے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں ان الفاظ کے بجاے 'لا یسن عبد سنة صالحة... إلّا...' (آدمی ایک اچھے طریقے کی ابتدا نہیں کرتا... مگر...) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۳ میں 'من سن فی الإسلام سنة حسنة' (جس شخص نے (اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے) اسلام میں ایک اچھے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ کے بعد 'فعمل بها من بعده' (جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا) کے اضافی الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۹۸۰۳ میں 'فعمل بها من بعده' (جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا) کے الفاظ کے بجاے 'فاستن بها بعده' (پھر اس کے بعد اس طریقے کی پیروی کی گئی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۴۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'فاستن به' (پھر اس طریقے کی پیروی کی گئی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۰۳ میں ان الفاظ کے بجاے 'فعمل بها' (پھر اس پر عمل کیا گیا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۰۵۶۳ میں ان الفاظ کے بجاے 'فاتبع علیها' (پھر اس طریقے کی پیروی کی گئی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں یہ الفاظ 'یعمل بها من بعده' (جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا) روایت کیے گئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com / www.al-mawrid.org

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۱۷۹ میں 'فله أجرها و أجر من عمل بها' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ اس شخص کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) کے الفاظ کے بجاے ان کے مترادف الفاظ 'کان له أجرها و أجر من عمل بها' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ اس شخص کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) روایت کیے گئے ہیں؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'فله أجره و مثل أجور من اتبعه' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۴۷ میں ان الفاظ کے بجاے ان کے مترادف الفاظ 'کان له أجره و من أجور من یتبعه' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے) روایت

کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۳ میں یہ الفاظ 'کان له أجرها و مثل أجر من عمل بها' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن حبان، رقم ۳۳۰۸ میں یہ الفاظ 'کان له أجرها و أجر من یعمل بها' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۰۴ میں یہ الفاظ 'کان له أجره کاملاً و من أجور من استن به' ((قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا کامل اجر ہے، بلکہ ان لوگوں کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس طریقے کی پیروی کریں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں یہ الفاظ 'إلّا کان له مثل أجر من عمل بها لا ینقص من أجورهم شيء' (مگر (قیامت کے روز) اس کے لیے ان لوگوں کے اجر کے برابر اجر ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے، ان کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۱۷۹ میں 'من عمل بها بعده' (جس شخص نے اس کے بعد اس پر عمل کیا) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'من عمل بها من بعده' (جس شخص نے اس کے بعد اس پر عمل کیا) روایت کیے گئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۱۷۹ میں 'من غیر أن ینقص' (بغیر کمی کیے) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'من غیر أن ینتقص' (بغیر کمی کیے) روایت کیے گئے ہیں؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'غیر منقوص من أجورهم شیئًا' (ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'غیر منتقص من أجورهم شیئًا' (ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۰۳ میں یہ الفاظ 'لا ینقص من أجورهم شیئًا' (ان کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۱۰۱۷ میں 'من سن سنة سیئة' (جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ کے بجائے 'من سن فی الإسلام سنة سیئة' (جس شخص نے اسلام میں ایک برے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۰۴ میں یہ الفاظ 'من استن سنة سیئة' (جس شخص نے کسی برے طریقے کی پیروی کی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۰۵۶۳ میں 'من سن

سنة ضلال ’(جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ ’من سن سنة شر ‘(جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۳۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ ’من سن شرًّا ‘(جس شخص نے کسی برائی کی ابتدا کی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں ان الفاظ کے بجائے ’لا یسن عبد سنة سوء... إلّا... ‘(آدمی کسی برے طریقے کی ابتدا نہیں کرتا... مگر...) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۳ میں ’و من سن سنة سیئة ‘(اور جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ ’عمل بها من بعده ‘(اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ابی شیبہ، رقم ۹۸۰۳ میں ’عمل بها من بعده ‘(اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا) کے الفاظ کے بجائے ’فاستن بها بعده ‘(پھر اس کے بعد اس کی پیروی کی گئی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۳۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ ’فاستن به ‘(پھر اس کی پیروی کی گئی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۰۳ میں ان الفاظ کے بجائے ’فعمل بها ‘(پھر اس پر عمل کیا گیا) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۰۵۶۳ میں یہ الفاظ ’فاتبع علیها ‘(پھر اس کی پیروی کی گئی) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں یہ الفاظ ’یعمل بها من بعده ‘(اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسلم، رقم ۱۰۱۷ میں ’فعلیه وزره ‘(اس پر اس کا بوجھ ہے) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ ’کان علیه وزره ‘(اس پر اس کا بوجھ ہوگا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۵ میں ’فعلیه وزرها ووزر من عمل بها ‘(جس شخص نے ایک برے طریقے کی ابتدا کی، (قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے بوجھ کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ ’کان علیه وزرها مثل وزر من عمل بها ‘((قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے برابر بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۳۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ ’کان علیه وزره و من أوزار من یتبعه ‘((قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے

اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۰۴ میں 'فعلیه وزره کاملاً ومن أوزار الذی إستن به' ((قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا کامل بوجھ ہوگا، بلکہ ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے) روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۰۳ میں 'کان علیه وزرها ووزر من عمل بها' ((قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہو گا، بلکہ اس شخص کے بوجھ کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۱۹۲۲۹ میں یہ الفاظ 'إلّا کان علیه وزرها ووزر من عمل بها' (مگر (قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے بوجھ کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے بجاے ان کے مترادف الفاظ 'کان علیه وزره و مثل أوزار من اتبعها' ((قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہو گا، بلکہ اس شخص کے برابر بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے کی پیروی کرے گا) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ابن ماجہ، رقم ۲۰۳ میں 'من غیر أن ینقص من أوزارهم شیء' (ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر) کے الفاظ کے بجاے 'لا ینقص من أوزارهم شیئًا' (ان کے بوجھوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۳۳۳۷ میں ان الفاظ کے مترادف الفاظ 'غیر منتقص من أوزارهم شیئًا' (ان کے بوجھوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) روایت کیے گئے ہیں؛ ترمذی، رقم ۲۶۷۵ میں ان الفاظ کے بجاے ان کے مترادف الفاظ 'غیر منقوص من أوزارهم شیئًا' (ان کے بوجھوں میں کچھ کمی کیے بغیر) روایت کیے گئے ہیں۔

مسلم، رقم ۱۰۱۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ وہ روایت درج ذیل ہے:

کنا عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی صدر النهار، قال: فجاء ه قوم حفاة عراة مجتابی النمار أو العباء متقلدی السیوف عامتهم من مضر بل کلهم من مضر فتمعّر وجه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لما رأی بهم من الفاقة فدخل ثم خرج فأمر بلالاً فأذن وأقام فصلی، ثم خطب فقال: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ"، إلی آخر الآیة، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا*. والآیة التی فی الحشر اِتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

مَّا قَدَّمَتُ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ.** تصدّق رجل من ديناره من درهمه من ثوبه من صاع بره من صاع تمره حتى قال: ولو بشق تمرة قال فجاء رجل من الأنصار بصرة كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت. قال: ثم تتابع الناس حتى رأيت كومين من طعام وثياب حتى رأيت وجه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يتهلل كأنه مذهبة فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من سن فى الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء ومن سن فى الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء.

''(حضرت جریر سے روایت ہے کہ) ہم دن کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تھے تو ایک قوم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور چمڑے کی عبائیں پہنے تلواروں کو لٹکائے ہوئے حاضر ہوئی۔ ان میں سے اکثر، بلکہ سارے کے سارے قبیلۂ مضر سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس ان کے فاقہ کو دیکھ کر متغیر ہو گیا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر تشریف لے گئے، پھر (کچھ دیر بعد) تشریف لائے اور حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا تو انھوں نے اذان اور اقامت کہی۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور (قرآن مجید سے) آپ نے ''اے لوگو، اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا'' سے ''بے شک، اللہ تم پر نگران ہے'' تک اور سورۂ حشر کی آیت ''اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر نفس اچھی طرح جائزہ لے رکھے اس کا جو اس نے کل کے لیے کیا ہے'' کی تلاوت کی اور فرمایا کہ آدمی اپنے دینار اور درہم اور اپنے کپڑے اور گندم کے صاع سے اور کھجور کے صاع سے صدقہ کرتا ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ پھر انصار میں سے ایک آدمی اتنی بھاری تھیلی لے کر آیا کہ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اسے اٹھانے سے عاجز ہو جائے، بلکہ اس کا ہاتھ عاجز ہو رہا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے (اپنا اپنا حصہ ڈالتے ہوئے) اس کی پیروی کی، یہاں تک کی میں نے کپڑوں اور کھانے کے دو ڈھیر دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس کندن کی طرح چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے) اسلام میں ایک اچھے طریقے کی ابتدا کی، (قیامت کے روز) اس کے لیے نہ صرف اپنے اس عمل کا اجر ہے، بلکہ اس شخص کے اجر میں بھی حصہ ہے جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا، ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر۔ (اس کے برخلاف) جس شخص نے ایک برے

* النساء ۴: ۱۔

** ۱۸:۵۹۔

طریقے کی ابتدا کی، (قیامت کے روز) اس پر نہ صرف اپنے اس عمل کا بوجھ ہوگا، بلکہ اس شخص کے بوجھ کا بھی ایک حصہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرے گا، ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر۔''

دوسری روایت

بعض روایات، مثلاً ترمذی، رقم ۲۶۷۷ میں 'كان له مثل أجر من عمل بها' (اس شخص کو ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس سنت پر عمل کریں گے) کے الفاظ کے بجائے 'فإن له من الأجر مثل من عمل بها' (اس شخص کو ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس سنت پر عمل کریں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ میں یہ الفاظ 'فإن له من الأجر مثل أجر من عمل بها من الناس' (بے شک، اس شخص کو ان لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس سنت پر عمل کریں گے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ترمذی، رقم ۲۶۷۷ میں 'لا ينقص من أجورهم شيئًا' (ان کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) کے الفاظ کے بجائے 'من غير أن ينقص من أجورهم شيئًا' (ان کے اجروں میں کچھ کمی کیے بغیر) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ میں یہ الفاظ 'لا ينقص من أجور الناس شيئًا' (لوگوں کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) روایت کیے گئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بعض روایات، مثلاً ترمذی، رقم ۲۶۷۷ میں 'من ابتدع بدعة' (جس شخص نے کسی بدعت کی ابتدا کی) کے الفاظ کے بعد 'ضلالة لا ترضى الله ورسوله' (گمراہی، جس کو اللہ اور اس کا رسول ناپسند کرتا ہے) کے اضافی الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ میں یہ اضافی الفاظ 'لا يرضاها الله ورسوله' (جس کو اللہ اور اس کا رسول ناپسند کرتا ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ترمذی، رقم ۲۶۷۷ میں 'كان عليه أوزار من عمل بها' (اس پر ان لوگوں کا بوجھ بھی ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے) کے الفاظ کے بجائے 'كان عليه مثل آثام من عمل بها' (اس پر ان لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ میں یہ الفاظ 'فإن عليه مثل إثم من عمل بها من الناس' (اس پر ان لوگوں کے گناہ کے برابر بوجھ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً ترمذی، رقم ۲۶۷۷ میں 'لا ينقص من أوزار من عمل بها شيئًا' (جن لوگوں نے اس

بدعت پر عمل کیا، ان کے بوجھ میں کچھ کمی نہیں ہوگی) کے الفاظ کے بجاے ’لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئًا‘ (اس سے ان لوگوں کے بوجھوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۲۱۰ میں یہ الفاظ ’لا ينقص من آثام الناس شيئًا‘ (ان لوگوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی) روایت کیے گئے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

دین کا ماخذ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا نے انسان کو پیدا کیا تو دو چیزیں اُس کے اندر رکھ دیں: ایک یہ احساس کہ اُس کا ایک بنانے والا ہے جو اُس کا مالک ہے۔ دوسرے یہ احساس کہ کیا عمل اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ خدا نے اِس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں انسان کے اندر رکھی ہیں جنھیں یاد دلایا جائے تو وقت کے ساتھ انسان کے علم اور عمل میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں بھی اِسی طرح رکھی گئی ہیں۔

یہی اصل دین ہے جو خدا نے انسان کو اُسی وقت دے دیا، جب اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر خدا نے انسانوں کے اندر سے کچھ لوگوں کو چنا، اُنھیں اپنا پیغام دیا اور اُنھیں انسانوں کی طرف بھیج دیا کہ جاؤ اور میرا یہ پیغام اُنھیں پہنچاؤ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ یہ آئے اور خدا نے جو دین انسان کے اندر رکھا تھا، اُس کے سب عقیدے اور قاعدے ضابطے کھول کھول کر انسان کو بتا دیے۔

یہ سلسلہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے۔ خدا نے بتا دیا ہے کہ آپ اِس سلسلے کے آخری شخص تھے، آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ چنانچہ دین اب آپ ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور سچا دین وہی ہے جسے آپ اپنی زبان سے کہہ دیں کہ یہ خدا کا دین ہے یا اپنے عمل سے بتا دیں یا کوئی چیز دین سمجھ کر آپ کے سامنے کی جائے اور آپ اُس سے منع نہ کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کی زندگی میں ہزاروں لوگوں نے سیکھا اور آپ کے سامنے اُس پر عمل کیا۔ پھر لاکھوں نے اِسی طرح اُن سیکھنے والوں سے سیکھا اور اُس پر عمل کیا۔ یہ سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹا۔ آپ کے ماننے

والے ہرنسل میں اِس دین کو پڑھتے پڑھاتے، زبان وقلم سے دوسروں کو بتاتے اور اِس پر عمل کرتے ہوئے اِس کو آگے پہنچاتے رہے۔ اب یہ ہم تک پہنچ گیا ہے اور ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ٹھیک اُسی طرح پہنچ گیا ہے، جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اُن لوگوں کو دیا تھا جو آپ کی زندگی میں آپ کو خدا کا نبی اور رسول مان کر آپ کے ساتھی بن گئے تھے۔

ہمارے اِس یقین کی وجہ یہ ہے کہ ہرنسل میں اِس کے ماننے والوں کی اتنی بڑی تعداد نے اور اتنے مختلف علاقوں میں اِس کو اپنی زبان سے، اپنے قلم سے اور اپنے عمل سے آگے پہنچایا ہے کہ اُن کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ سب مل کر جھوٹ بول سکتے ہیں یا غلطی کر سکتے ہیں۔ علم کی زبان میں اِس کو اجماع اور تواتر کہا جاتا ہے۔ سب عاقل مانتے ہیں کہ اِس طریقے سے جو بات ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچے، وہ یقینی ہوتی ہے۔

یہ دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے:

ایک قرآن،

دوسری سنت۔

قرآن وہی کتاب ہے جس کو مسلمان قرآن کہتے ہیں۔ خدا نے یہ کتاب اپنے ایک فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتاری تھی۔ یہ کتاب جن الفاظ میں اور جس طرح اتاری گئی، آپ نے اُسی طرح اور اُنھی الفاظ میں لوگوں کو بار بار پڑھ کر سنائی۔ آپ کے ماننے والوں نے اِس کو آپ سے سن کر یاد کیا اور اگر لکھنا جانتے تھے تو لکھ کر اپنے پاس بھی رکھ لیا۔ یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اِن میں سے کسی نے ایک سورت، کسی نے دو سورتیں، کسی نے دس بیس اور کسی نے پورا قرآن یاد کیا یا اپنے پاس لکھ کر رکھا۔ اگلی نسل کے لوگوں نے بھی یہی کیا۔ مسلمانوں کی ہرنسل میں لوگ یہی کرتے رہے۔ اِس وقت بھی یہ ہر گھر میں لکھی ہوئی موجود ہے اور دنیا میں لاکھوں انسان اِس وقت بھی اِس کو پہلے حرف سے آخری حرف تک زبانی سنا سکتے ہیں۔ یہ اِسی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کی ہزار کوشش کے باوجود اِس میں کوئی تبدیلی نہ اِس سے پہلے ہو سکی ہے اور نہ اب ہو سکتی ہے۔ اِس لیے یہ بالکل یقینی ہے کہ اِس وقت جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے، وہ حرف بہ حرف وہی کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو دی تھی۔

یہی معاملہ سنت کا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں پیدا ہوئے، اُس کے سب لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے۔ خدا نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اُس طریقے کی پیروی کریں جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ اِس طریقے کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بعض چیزیں اُسی طرح باقی تھیں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام اُنھیں اپنی اولاد میں چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن بعض چیزیں بھلا دی گئی تھیں اور بعض میں غلطی ہو رہی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں یاد دلایا، اُن میں جو غلطیاں ہو رہی تھیں، اُن کو درست کیا اور خدا کے حکم سے اُن میں اضافے بھی کیے، پھر اپنے ماننے والوں کو پابند کر دیا کہ وہ اُنھیں اختیار کر لیں۔ یہی سب چیزیں ہیں جنھیں آپ کی سنت کہا جاتا ہے۔ اِن میں سے زیادہ تر قرآن سے پہلے کی چیزیں ہیں جن سے عرب کے سب لوگ واقف تھے، اِس لیے قرآن جب اِن کا ذکر کرتا ہے تو ایسی چیزوں کے طور پر کرتا ہے جنھیں سب جانتے ہیں۔ اِن کے لیے کسی تعارف یا تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ بالکل اُسی طرح ہم تک پہنچی ہیں، جس طرح قرآن پہنچا ہے۔ مسلمانوں کی ہر نسل کے لوگوں نے پچھلوں سے لے کر اِن پر عمل کیا اور اگلوں تک پہنچا دیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک یہ سلسلہ اِسی طرح قائم ہے۔ اِس لیے یہ بھی یقینی ہیں۔ ثبوت کے لحاظ سے اِن میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[۲۰۱۲ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۴)

حضرت ابوذر غفاری کو تعلیم و تعلم سے بہت لگاؤ تھا۔ بتاتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو صبح اٹھے اور قرآن کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تمھارے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ (رات بھر جاگ کر) سو رکعت نفل ادا کرے۔ تو دن میں علم کا ایک باب سیکھ لے جس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک ہزار رکعت نوافل ادا کرے (ابن ماجہ، رقم ۲۱۹)۔ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ارشاد کیا کہ تین کاموں میں کوئی ہمیں مغلوب نہ کر سکے: امر بالمعروف، نہی عن المنکر کریں اور لوگوں کو سنتیں سکھائیں (سنن دارمی، رقم ۵۶۰)۔ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان کے عہد ہاے خلافت میں حضرت ابوذر فتویٰ دیتے تھے۔ ایک حج کے موقع پر حضرت ابوذر جمرۂ وسطیٰ کے پاس بیٹھے تھے، لوگوں کی بھیڑ لگی تھی جو ان سے مسائل دریافت کر رہے تھے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اعتراض کیا کہ کیا امیر المومنین سیدنا عثمان نے آپ کو فتویٰ دینے سے نہیں روکا؟ حضرت ابوذر نے سر اٹھا کر کہا: کیا تو مجھ پر داروغہ لگا ہے؟ تم اگر میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ تمھارے وار کرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا کلمہ ادا کر سکوں گا تو ضرور کروں گا (بخاری: باب العلم قبل القول والعمل۔ سنن دارمی، رقم ۵۶۲)۔

حضرت ابوذر غفاری نے قریب قریب ہر موضوع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی۔ خود کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوت کے لمحات کی کھوج میں رہتا تھا، اس لیے کئی روایات ایسی ہیں جو صرف

انھی سے منقول ہوئیں۔ ایک بار انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: قسم اس اللہ کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کرسی کے مقابلے میں سات آسمان و زمین ایسے ہی ہیں جیسے بیابان میں پھینکی ہوئی انگوٹھی۔ پھر عرش کرسی پر ایسی فوقیت رکھتا ہے، جیسے وسیع بیابان چھوٹی سی انگوٹھی پر رکھتا ہے (تفسیر ابن مردویہ)۔ مشہور ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث کیے گئے جن میں سے تین سو تیرہ رسول تھے۔ یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت کردہ ہے (احمد، رقم ۲۱۴۳۸)۔ انھی سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا: اے ابوذر، چار رسول سریانی تھے: آدم، شیث، نوح اور حنوخ، اور چار عربی تھے: ہود، صالح، شعیب اور تمھارے نبی علیہم السلام۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ اور آخری عیسیٰ تھے (ابن حبان، رقم ۹۴۔ طبری)۔ حضرت ابوذر ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سو صحیفے اور چار مصحف نازل کیے، پچاس صحیفے آدم علیہ السلام کے بیٹے اور ان کے جانشین شیث علیہ السلام پر، دس ابراہیم علیہ السلام پر اتارے جو تمام امثال پر مشتمل تھے۔ اخنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ تورات، انجیل، زبور اور فرقان (قرآن) چار مصاحف ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے مصاحف میں نصائح و عبر ہیں (طبری)۔

حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے تھے اور سفید کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ فرمایا: کوئی بندہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور اس پر جان دے دیتا ہے، جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سوال و جواب تین بار ہوا۔ آخر میں آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے، چاہے ابوذر کی ناک مٹی سے آلودہ ہو جائے (بخاری، رقم ۵۸۲۷)۔ حضرت ابوذر یہ حدیث بیان کرتے تو آپ کا آخری فقرہ ضرور سناتے۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بستر پر لیٹتے تو یہ دعا مانگتے: 'أللّٰھم باسمك أموت و أحيا'، ''اے اللہ، میں تیرے نام سے مرتا اور زندہ ہوتا ہوں''۔ جب بیدار ہوتے تو یہ کلمات ادا فرماتے: 'ألحمد للّٰہ الذی أحيانا بعد أماتنا وإليه النشور'، ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور روز قیامت اسی کے آگے پیش ہونا ہے'' (بخاری، رقم ۶۳۲۵)۔

حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ مال غنیمت میں آنے والے کچھ اونٹ اور بکریاں لے کر دیہات کی کھلی فضا میں چلے جائیں اور ان کے دودھ سے سیر ہوں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں مدینہ کی قریبی بستی ربذہ چلا گیا، میری بیوی ساتھ تھیں اور میں پانی سے دور تھا۔ غسل کی

حاجت پیش آتی تو پانچ پانچ چھ چھ روز غسل کیے بغیر نماز پڑھتا۔ مدینہ لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے زیر سایہ کچھ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: تجھے کس نے ہلاک کر دیا؟ بتایا: دور دور تک پانی نہ تھا، میں اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ جنابت لاحق ہوتی تو پاکی حاصل کیے بغیر نماز پڑھ لیتا۔ آپ نے اسی وقت ایک باندی کو کہہ کر پانی منگوایا جس سے میں نے غسل کیا۔ پھر فرمایا: اے ابوذر، پاک مٹی طہارت دیتی ہے اگرچہ تمھیں دس سال تک پانی نہ ملے۔ جب پانی ملے تو اس سے جلد تر کر لو (ابوداؤد، رقم ۳۳۲-۳۳۳۔ نسائی، رقم ۳۲۳)۔

حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ موذن نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو آپ نے فرمایا: ذرا ٹھنڈک ہو لینے دو۔ (کچھ دیر کے بعد) وہ پھر اذان دینے لگا تو ارشاد کیا: گرمی کی شدت کم ہو لینے دو۔ اتنا وقت گزر گیا کہ ہم ٹیلوں کے سائے دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔ گرمی تیز ہو جائے تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو (بخاری، رقم ۵۳۹۔ مسلم، رقم ۱۳۴۵)۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر، وہ کیسا وقت ہوگا جب تمھارے حکمران نماز میں تاخیر کر دیا کریں گے۔ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں یارسول اللہ؟ فرمایا: نماز وقت پر پڑھ لیا کرنا پھر اگر مسجد میں تمھارے ہوتے ہوئے جماعت کھڑی ہوئی تو اس میں بھی شامل ہو جانا، یہ تمھارے لیے نفل ہو جائے گی (ابوداؤد، رقم ۴۳۱۔ ترمذی، رقم ۱۷۶۔ نسائی، رقم ۸۶۰)۔ دوسری روایت میں اضافہ ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: یہ نہ کہنا کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے، اس لیے اب (حاکم کے پیچھے دوبارہ) نہ پڑھوں گا (نسائی، رقم ۷۷۹)۔ حضرت ابی بن کعب بتاتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ملک تلاوت فرما کر ہمیں اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کے واقعات یاد دلائے۔ حضرت ابوالدرداء یا حضرت ابوذر نے اشارہ کر کے مجھ سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی؟ میں نے تو ابھی سنی ہے۔ میں نے ان کو خاموش رہنے کو کہا۔ خطبہ ختم ہونے کے بعد انھوں نے شکوہ کیا کہ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا: تم نے آج بات کر کے جمعہ کی نماز ہی ضائع کر دی۔ حضرت ابوذر (یا حضرت ابوالدرداء) آپ کے پاس گئے اور حضرت ابی بن کعب کی بات بتائی۔ آپ نے فرمایا: ابی نے سچ کہا، یعنی دوران خطبہ میں تکلم کرنے سے جمعہ جاتا رہتا ہے (ابن ماجہ، رقم ۱۱۱۱)۔

حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوہریرہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے بیچ میں تشریف فرما ہوتے تھے، اس لیے نئے آنے والے کو پتا نہ چلتا اور اسے آپ کے بارے میں پوچھنا پڑتا۔ ہم نے گزارش کی کہ ہم

آپ کے بیٹھنے کے لیے الگ جگہ بنا دیتے ہیں تاکہ ایک اجنبی بھی آپ کو پہچان لے۔ تب ہم نے مٹی کا ایک چبوترا بنا دیا جس پر آپ نشست فرماتے اور ہم آپ کے دونوں جانب بیٹھ جاتے (ابوداؤد، رقم ۴۶۹۸)۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی تلقین فرمائی، میں انشاء اللہ انھیں کبھی ترک نہ کروں گا: آپ نے مجھے چاشت کی نماز پڑھنے، وتر سونے سے پہلے ادا کرنے اور ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی وصیت فرمائی (نسائی، رقم ۲۴۰۶)۔ آپ نے مزید ہدایت فرمائی کہ اگر مہینے میں تین روزے رکھنے ہوں تو تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کو رکھنا (ترمذی، رقم ۷۶۱)۔ ان تین تاریخوں میں چانداول سے آخر رات تک خوب چمکتا ہے، اس لیے ان کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں: ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے، آپ نے ہمیں تراویح کی نماز نہ پڑھائی حتیٰ کہ سات روزے رہ گئے۔ تیئیسویں شب تہائی رات گزرنے تک آپ نے ہم کو قیام کرایا۔ چوبیسویں رات آپ نے نوافل پھر نہ پڑھائے تاہم پچیسویں شب رات کا ایک حصہ گزرنے تک آپ نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔ ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یا رسول اللہ، کاش! آپ باقی رہ جانے والی ان راتوں میں بھی ہمیں نوافل پڑھاتے۔ فرمایا: جو امام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ کھڑا رہا، اسے ایک رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ چھبیسویں رات آپ نے نماز تراویح نہ پڑھائی، البتہ ستائیسویں کو اس کا اہتمام فرمایا۔ آپ نے اہل خانہ اور ازواج مطہرات کو بھی بلا لیا اور ہم کو اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ فلاح کے رہ جانے کا خدشہ ہونے لگا۔ راوی حضرت جبیر بن نفیر نے حضرت ابوذر سے پوچھا کہ فلاح کیا ہے؟ بتایا، سحری۔ آخری دو تین راتوں میں آپ نے تراویح نہ پڑھائی (ترمذی، رقم ۸۰۶۔ نسائی، رقم ۱۳۶۵۔ سنن دارمی، رقم ۱۸۱۱)۔

ایک شخص ربذہ سے گزرا تو حضرت ابوذر غفاری سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ بتایا: حج کرنے جا رہا ہوں۔ حج کے علاوہ کوئی دنیاوی غرض تو پیش نظر نہیں؟ انھوں نے جرح کی۔ اس نے کہا: نہیں تو فرمایا: اپنی نیت پھر بھی تازہ کر لو۔ ان کے کہنے کے مطابق اس شخص نے مکہ پہنچ کر کچھ توقف کیا پھر حج کا قصد کیا۔ بیان کرتا ہے کہ ایام حج میں، میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص پر ہجوم کیا ہوا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مجھ سے ربذہ میں ملنے والے وہی بزرگ حضرت ابوذر ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور کہا: تم سے میں نے یہ بات کی تھی (موطا امام مالک، رقم ۱۳۳۱)۔

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا تو آپ کعبہ کے سائے میں تشریف رکھتے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: رب کعبہ کی قسم، روز قیامت وہ لوگ سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں نے گمان کیا، شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے۔ پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی مسلمان اونٹ یا گائے کی زکوٰۃ ادا کیے بغیر مر گیا تو قیامت کے روز وہ جانور بہت بڑا اور بہت فربہ ہو جائے گا اور اپنے کھروں سے اسے روندے اور سینگوں سے بھنبھوڑے گا۔ جب بھی سینگ یا کھر ٹوٹے تو پہلے جیسے لوٹ آئیں گے (ابوداؤد، رقم ۱۶۷۱۔ نسائی، رقم ۲۴۴۲)۔

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ ہم سب مغرب کی طرف رخ کیے پیدل چل رہے تھے۔ سورج سرخ گولے کے مانند نظر آ رہا تھا، ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہو گیا۔ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تمھیں معلوم ہے کہ سورج ڈوب کر کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سورج سفر کرتا ہوا عرش کے سایہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر طلوع کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ سجدہ کرے گا تو قبول نہ ہو گا۔ اذن چاہے گا اور نہ ملے گا۔ اسے کہا جائے گا: جہاں سے آئے ہو، وہیں لوٹ جاؤ۔ تب وہ مغرب سے نکلے گا۔ یہی مفہوم اللہ کے ارشاد 'وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ'، ''اور سورج اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف (مقررہ مدار میں) دوڑتا جا رہا ہے، یہ اللہ زبردست، ذی علم کی بنائی ہوئی تقدیر ہے'' (یٰسٓ ۳۶: ۳۸) میں بیان ہوا ہے (بخاری، رقم ۳۱۹۹۔ مسلم، رقم ۳۱۸)۔ دوسری روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سورج کو عرش کے نور سے بنا ہوا لباس پہناتے ہیں جو سردی، گرمی، خزاں اور بہار کے موسموں کے حساب سے چھوٹا بڑا ہوتا ہے اور وہ مشرق سے نکل آتا ہے۔ پھر وہ وقت آئے گا جب سورج کو تین راتوں کے لیے روک لیا جائے گا اور مغرب سے طلوع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے یہ ارشاد ربانی بیان کر رہا ہے: 'اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ'، ''جب سورج کی روشنی سمیٹ لی جائے گی'' (التکویر ۸۱: ۱)۔ یہ وہ وقت ہو گا جب کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا ایمان لا کر نیکی نہ کمائی ہو۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں: چاند بھی اسی طرح طلوع و غروب ہوتا ہے۔ اس گفتگو کے ختم ہونے کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی (طبری)۔ حضرت ابوذر غفاری بتاتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ، حوض کوثر کے برتن کس طرح کے ہوں گے؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، حوض کے برتن اندھیری رات کے صاف آسمان میں چمکنے والے تاروں، ستاروں سے زیادہ تعداد میں ہیں۔ ان میں پینے والے کو آخر تک پیاس نہ لگے گی۔ جنت کے دو دھارے انھیں سیراب کرتے ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے (مسلم، رقم ۶۰۵۵۔ ترمذی، رقم ۲۴۴۵)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت ابوذر غفاری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، دو بکریاں آپ کے پاس چارہ چر رہی تھیں کہ ایک نے سینگ مار کر دوسری کو پرے دھکیل دیا۔ آپ مسکرانے لگے تو سوال ہوا کہ یا رسول اللہ، آپ کے تبسم کرنے کی کیا وجہ ہوئی؟ فرمایا: میں مار کھانے والی بکری پر ہنسا، اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، روز قیامت اسے بدلہ لے کر دیا جائے گا (احمد، رقم ۲۱۴۰۳)۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی؟ فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے پوچھا: پھر کون سی تعمیر ہوئی؟ ارشاد ہوا: مسجد اقصیٰ۔ پوچھا: ان دونوں کے بننے میں کتنی مدت حائل رہی؟ فرمایا: چالیس سال۔ حضرت ابوذر اور مسجدوں کے بارے میں پوچھنے لگے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں بھی وقت ہو جائے، نماز پڑھ لینا، اس لیے کہ تمام روے زمین مسجد ہے (بخاری، رقم ۳۴۲۵۔ مسلم، رقم ۱۰۹۸)۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مصر کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا: جب تو دیکھے کہ دو افراد اینٹ برابر جگہ کے لیے لڑ رہے ہیں تو وہاں سے نکل جانا (مسلم، رقم ۶۵۸۶)۔ بنو امیہ خصوصاً یزید بن معاویہ کی مذمت میں حضرت ابوذر سے کئی روایات نقل کی گئی ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ تر موضوع ہیں اور کچھ ضعیف اور منقطع ہیں۔

خلیفۂ دوم سیدنا عمر حضرت ابوذر کا شمار علم قراءت کے ماہر قاریوں میں کرتے اور علم و فضل میں عبداللہ بن مسعود کے ہم پلہ قرار دیتے۔ حضرت ابوذر زاہد ہونے کے ساتھ امر بالمعروف کا فرض بھی ادا کرتے۔ ایک بار انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت مانگی تو آپ نے انھیں نصیحت فرمائی: ''ابوذر، میں تمھیں کمزور پاتا ہوں اور تمھارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے چاہتا ہوں۔ کبھی دو افراد کا بھی امیر نہ بننا، کسی یتیم کے مال کا نگران بھی ہرگز نہ بننا (مسلم، رقم ۴۷۴۷۔ نسائی، رقم ۳۶۹۷)۔ امارت رسوائی اور ندامت ہے ماسوا اس کے لیے جو اس کا حق رکھتا ہو اور اس کی ذمہ داریاں ادا کر سکتا ہو۔ سیدنا علی فرماتے ہیں: آج میرے اور حضرت ابوذر غفاری کے سوا کوئی ایسا نہیں رہا جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی پروا نہ کرنے والا ہو۔ گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری 'میرا بھائی' کہہ کر حضرت ابوذر کا استقبال کرتے تو حضرت ابوذر جواب دیتے: گورنر بننے سے پہلے میں تمھارا بھائی تھا۔ جب حضرت ابوہریرہ ان سے ملنے آئے تو 'مرحبا یا اخی' کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ پوچھا: کیا تو نے ان لوگوں کی گورنری کی ہے؟ کیا تم نے اونچی عمارت تعمیر کی ہے، زرعی رقبہ یا مویشی فارم بنایا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں تو فرمایا: تو میرا بھائی ہے۔

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں، میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا: یہ کہ میں مسکینوں سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں، اپنے سے کم حیثیت والے سے مقابلہ کروں، کسی کے آگے دست سوال

درازنہ کروں، صلہ رحمی کروں چاہے دوسرا منہ موڑے، حق بات کروں چاہے کڑوی ہو، اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کروں، کلمۂ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا اکثر ورد کروں۔ یہ باتیں زیر عرش خزانے سے لی گئی ہیں (احمد، رقم ۲۱۳۰۹)۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی: ''تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتا رہ، کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لے، وہ اس برائی کا قلع قمع کر دے گی اور لوگوں سے حسن سلوک کرو'' (ترمذی، رقم ۱۹۸۷۔ سنن دارمی، رقم ۲۸۲۵)۔ حضرت ابومروان نے حضرت ابوذر غفاری کو ایک دھاری دار چادر میں نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا: کیا آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اگر ہوتا تو آپ کو نظر آ جاتا۔ حضرت ابومروان نے کہا: میں نے کچھ دن پہلے دو اور کپڑے دیکھے تھے۔ جواب ملا: بھتیجے، وہ میں نے اپنے سے زیادہ ضرورت مند کو دے دیے ہیں، واللہ، آپ سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ حضرت ابوذر بولے: اے اللہ، معاف کر دے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں نے یہ چادر لے رکھی ہے، ایک اس کے علاوہ ہے جو اوڑھ کر مسجد جاتا ہوں، میرے پاس بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، گدھے ہیں جن پر بوجھ لادتا اور غلہ ڈھوتا ہوں، کون سی نعمتیں ان سے بڑھ کر ہوں گی جو ہمیں میسر ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے تو پہلے پڑوسیوں اور مہمانوں کو پیش کرتے پھر خود پیتے۔ فرماتے تھے: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے: ''جب شوربہ پکاؤ تو پانی ذرا زیادہ ڈال دو پھر پڑوسیوں کے گھر دیکھو اور کسی سے حسن سلوک کر لو'' (مسلم، رقم ۶۷۸۲۔ ترمذی، رقم ۱۸۳۳)۔ حضرت عبداللہ بن خراش کہتے ہیں کہ میں نے ربذہ میں حضرت ابوذر کو دیکھا کہ اپنی سیاہ فام بیوی کے ساتھ بالوں سے بنے ہوئے خیمے میں رہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: ابوذر، آپ نے کالی کلوٹی عورت سے شادی کر لی؟ جواب دیا، جو بیوی تواضع کا باعث بنے، مجھے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت ابوذر کی بیٹی کا رنگ بھی سیاہ تھا۔

حضرت شداد بن اوس کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ذہن نشین کر لیتے جو سخت ہوتا اور یہی لوگوں کو سناتے رہتے۔ آپ نے بعد میں کوئی رخصت دی ہوتی تو حضرت ابوذر نے سنی نہ ہوتی، وہ سخت حکم ہی پر قائم رہتے (احمد، رقم ۱۷۰۷۲)۔ حضرت معرور بن سوید بتاتے ہیں کہ میں ربذہ میں حضرت ابو ذر سے ملا تو دیکھا کہ ایک چادر انھوں نے اوڑھ رکھی ہے اور دوسری ان کے غلام نے لی ہوئی ہے۔ میں نے کہا: دوسری چادر بھی آپ رکھ لیتے تو آپ کا جوڑا مکمل ہو جاتا۔ کہا: میں نے ایک شخص (اپنے غلام) کو گالی دی اور اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی (تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کر دی)۔ آپ نے فرمایا: ابوذر، تو نے اسے ماں کی گالی دی ہے؟ تو ایسا آدمی نکلا جس میں کچھ جاہلیت باقی رہ گئی ہے۔ غلام تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے

تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔ جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو جائے، اسے اس کھانے میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، وہی لباس دے جو خود پہنتا ہے۔ انھیں وہ کام نہ کہے جو ان کے لیے بوجھل ہو جائے۔ اگر بھاری کام کرانا ہو تو ان کی مدد کرو (بخاری، رقم ۳۰۔ مسلم، رقم ۴۳۲۶)۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوذر نے ابتداے اسلام میں اپنے چچازاد کو 'او لونڈیا کے بیٹے' کہہ کر پکارا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تمھارا گنوار پن ختم نہیں ہوا (ابن سعد)۔ حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے۔ آپ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا: او جنیدب، یہ دوزخیوں کی کروٹ ہے (ابن ماجہ، رقم ۳۷۲۴)۔ دوسری روایت میں لیٹنے کے ڈھنگ کا ذکر نہیں، محض اتنا مذکور ہے کہ آپ نے ابوذر کو مسجد میں سوتا دیکھ کر اٹھا دیا (سنن دارمی، رقم ۱۴۳۵)۔

ایک بار حضرت ابوذر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دولت مند بہت اجر لے گئے۔ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں۔ ان کے پاس زائد مال ہوتا ہے جو خیرات کر لیتے ہیں، جبکہ ہم مال نہ ہونے کی وجہ سے صدقات دینے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمھیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں جو تم ادا کر کے آگے دوڑنے والوں سے جا ملو گے اور تمھیں وہی پا سکے گا جو یہ عمل کرے گا۔ کیوں نہیں یا رسول اللہ! حضرت ابوذر نے کہا۔ فرمایا: ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ 'ألله أكبر'، تینتیس دفعہ 'سبحان الله'، تینتیس بار 'ألحمد لله' پڑھو اور آخر میں 'لا إلـه إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير' کہو۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے چاہے سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں (ابوداؤد، رقم ۱۵۰۴۔ احمد، رقم ۷۲۴۲)۔

حضرت ابوذر نے پوچھا: یا رسول اللہ، ایک شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے، لیکن اس جیسے عمل نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا: ابوذر، تو ان لوگوں ہی میں شمار ہو گا جن سے محبت کرتا ہے۔ انھوں نے کہا: میں اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے مکرر فرمایا: تو ان لوگوں ہی میں شامل ہو گا جن سے محبت کرتا ہے (ابوداؤد، رقم ۵۱۲۶۔ سنن دارمی، رقم ۲۸۲۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مجھے چار آدمیوں سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے: اس لیے کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے: علی، ابوذر، سلمان اور مقداد (ترمذی، رقم ۳۷۱۸۔ احمد، رقم ۲۲۸۶۴)۔ سیدنا علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے ہر نبی کو سات معزز رفقا وزیر بنا کر دیے گئے تھے، جبکہ مجھے چودہ نقیبوں کی معیت حاصل ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مقداد، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت سلمان، حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت ابوذر (ترمذی، رقم ۳۷۸۵)۔ ترمذی کی اس روایت میں حضرت مصعب بن عمیر کا نام بھی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شامل ہے، اس طرح یہ تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان سے دوسو اکیاسی احادیث روایت کیں۔ ان میں سے بارہ متفق علیہ ہیں، دو حدیثیں صرف بخاری میں اور انیس صرف مسلم میں ہیں۔ حضرت ابوذر سے حدیث روایت کرنے والوں میں شامل ہیں: حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت اسامہ بن سلمان، حضرت جبیر بن نفیر، حضرت زر بن حبیش، حضرت زید بن وہب، حضرت سعید بن مسیّب، حضرت سفیان بن ہانی، حضرت احنف بن قیس، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم (تمیم)، حضرت عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ، حضرت عبدالرحمٰن بن حجیرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ، حضرت ابومراوح غفاری، حضرت یزید بن شریک، حضرت قیس بن عباد، حضرت سوید بن غفلہ، حضرت ابوادریس خولانی، حضرت ابوالاسود دولی، حضرت عبید بن عمیر، حضرت عبداللہ بن صامت، حضرت معرور بن سوید، حضرت ابوعثمان نہدی، حضرت مطرف بن عبداللہ، حضرت عمرو بن میمون، حضرت خالد بن معدان (وہبان)، حضرت خرشہ بن حر، حضرت زید بن ظبیان، حضرت حذیفہ بن اسید، حضرت ربعی بن حراش، حضرت صعصعہ بن معاویہ، حضرت ضریب بن نفیر، حضرت عبداللہ بن شقیق، حضرت عضیف بن حارث، حضرت ابوزرعہ بن عمرو، حضرت عاصم بن سفیان، حضرت عبید بن خشخاش، حضرت ابومسلم جذمی، حضرت عطاء بن یسار، حضرت موسیٰ بن طلحہ، حضرت ابوشعثا محاربی، حضرت مورق عجلی، حضرت ابواحوص مدنی، حضرت ابواسما رجبی، حضرت ابوبصرہ غفاری، حضرت ابوالعالیہ ریاحی، حضرت ابن حوتکیہ، حضرت جسرہ بنت دجاجہ اور حضرت مالک اشتر۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۵۱ھ میں شیعہ خلیفہ معزالدولہ نے بغداد کی تمام مساجد پر یہ تحریر لکھوا دی: ''اللہ لعنت کرے معاویہ پر، ان لوگوں پر جنھوں نے فدک کے باغات میں فاطمہ کا حق غصب کیا، جنھوں نے اپنے نانا کی قبر کے پاس حسن کی تدفین نہ ہونے دی، جنھوں نے حضرت ابوذر کو جلاوطن کیا اور جنھوں نے حضرت عباس کو شوریٰ سے نکالا۔'' رات کے وقت لوگوں نے اس چاکنگ کو مٹا دیا۔ معزالدولہ نے دوبارہ لکھوانا چاہا، لیکن اس کے وزیر ابومحمد مہلبی نے مشورہ دیا کہ اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ اللہ آل رسول پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے اور معاویہ کے علاوہ کسی کے نام کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے۔

موسیٰ بن احمد متوفی ۵۲۲ھ حضرت ابوذر غفاری کی اولاد میں سے تھے۔

لبنان کے احمد رضا اور ایران کے علی شریعتی نے حضرت ابوذر غفاری کو پہلا اسلامی سوشلسٹ قرار دیا ہے۔

پاکستان کے شاہ محمد جعفر پھلواری نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مطالعۂ مزید: الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الجامع المسند الصحیح (بخاری، شرکۃ دارالارقم)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر (ابن خلدون)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، Wikipedia, the free encyclopedia۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر عرفان شہزاد*

سید احمد شہید کا تبلیغی، جہادی اور اصلاحی کردار

ایک تنقیدی جائزہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

[ہزارہ یونیورسٹی، پاکستان میں منعقدہ کانفرنس ''سید احمد شہید کا تبلیغی، جہادی اور اصلاحی کردار: ایک تنقیدی جائزہ'' کے بارے میں احوال و تاثرات]

جولائی ۲۹ تا ۳۱، ۲۰۱۵ء کو ہزارہ یونیورسٹی میں سید احمد شہید کی حیات اور خدمات کا جائزہ لینے کے لیے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ مانسہرہ اور ہزارہ کو سید احمد شہید سے نسبت خاص ہے۔ سید صاحب کی عظیم تحریک یہاں سے گزری اور اپنے انمٹ نقوش ثبت کرتے ہوئے بالاکوٹ کے میدان میں تا قیامت فروکش ہو گئی۔ اس تحریک نے مسلمانان پاک و ہند کو علمی اور عملی سطح پر بہت گہرائی اور گیرائی سے متاثر کیا ہے۔ اس کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں۔ بجا تھا کہ اس عظیم تحریک کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لینے کے لیے اہل علم کا اجتماع منعقد کیا جائے اور اس کے لیے سب سے موزوں یہی تھا کہ ہزارہ یونیورسٹی اس کا اہتمام کرے جو اس علاقے میں واقع ہے جس کو اس تحریک کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور یہیں اس تحریک کے اولین قائدین کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔ اس کانفرنس کا اہتمام ہزارہ یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم نے کیا تھا۔ جن کے سربراہ ڈاکٹر منظور حسین شاہ تھے۔

* ممبر مجلس مشاورت تحقیقی مجلّہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML)، اسلام آباد، پاکستان؛ فری لانس لکھاری Asia Depatch اور IBC Urdu۔

راقم کو اس کانفرنس میں اپنا مقالہ پڑھنا تھا۔ روانگی کے لیے راولپنڈی اور اسلام آباد سے جانے والے محققین حضرات سے رابطہ کر کے اکٹھا سفر کرنے کا پرگرام طے پایا۔ چناچہ نمل اسلام آباد سے ڈاکٹر نور حیات، ڈاکٹر فرحان راؤ، ڈاکٹر ارم سلطانہ؛ اسراء یونیورسٹی سے ڈاکٹر ریاض سعید اور راقم نے ڈائیوو بس سروس سے ایبٹ آباد اور وہاں سے مانسہرہ جانا طے کیا۔ راستے میں بس خراب ہوگئی اور ایک گھنٹہ ضائع ہوا، جسے ایک ہوٹل پر چائے نوش کرتے ہوئے ہلکی پھلکی علمی گفتگو میں گزارا۔ ایبٹ آباد سے مانسہرہ کے لیے ڈائیوو کی شٹل سروس مہیا ہونے میں دیر تھی، نیز عملے کا رویہ اَن پروفیشنل تھا۔ بہرحال احباب نے اپنے طور پر گاڑی کرائے پر لی اور مانسہرہ پہنچے۔ راستے میں زیادہ تر ایک دوسرے کے مقالات کے نکات اور سید صاحب کی تحریک کے مختلف پہلو اور تاریخی معلومات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ مانسہرہ میں لاہور سے آئی ڈاکٹر زاہدہ سلمان اور فیصل آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹر رضوان بھی ہم رکاب ہو گئے۔ یہاں سے ہزارہ یونیورسٹی کا عملہ ہمیں آرمی میس لے آیا جہاں کے مہمان خانے ہمارے لیے کرائے پر حاصل کیے گئے تھے۔ یہاں ہماری رہایش کا معقول انتظام تھا۔ تاہم شرکا کی خواہش تھی کہ رہایش اگر شہر یا یونیورسٹی کے اندر ہوتی تو زیادہ آزادی سے گھومنے پھرنے کا لطف آتا۔ تاہم یہ جگہ بھی پرفضا تھی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اگلے دن ناشتہ کے فوراً بعد ہمیں یونیورسٹی پہنچایا گیا۔ رجسٹریشن کروائی گئی۔ چند ساتھیوں کو اعتراض تھا کہ رجسٹریشن فیس نہیں ہونی چاہیے تھی۔ بہرحال، ہم نے فیس ادا کی اور کانفرنس میں جا بیٹھے۔ امریکہ سے تشریف لائے پروفیسر ڈاکٹر عدیل صاحب شستہ انگریزی میں خطاب فرما رہے تھے۔ انھوں نے عالمی تناظر میں رواداری اور روشن خیالی کے موضوع پر اچھی گفتگو کی۔ ان کا خطاب کافی خطیبانہ تھا۔ حاضرین تالیوں سے داد دیتے رہے۔ ان کے بعد ایک آدھ مقالہ پڑھا گیا جو کوئی تاثر نہ چھوڑ سکا۔

چائے کے وقفے کے بعد مقالہ نگار شرکا کو ایجوکیشن بلاک لے جایا گیا اور انھیں مختلف کمروں میں بٹھا دیا گیا جو ان کے لیے مختص کیے گئے تھے۔ ہر کمرے میں ملٹی میڈیا فراہم کیا گیا تھا۔ ہر کمرے میں سامعین کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ مقالہ نگار اپنا مقالہ پیش کرتے اور سامعین اس کے بعد سوالات کرتے۔ مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا۔ اس طرح سامعین محض سامعین نہیں ہوتے، بلکہ شریک بحث ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ دل چسپی سے سنتے ہیں، کیونکہ ان کو بھی اپنے جوابی خیالات کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ جن کانفرنسوں میں سامعین کو صرف سننا ہوتا ہے، وہاں معاملہ یک طرفہ ہونے کی وجہ سے بے جان اور پھیکا ہو جاتا ہے۔ یک طرفہ معاملہ کوئی بھی ہو، زیادہ دیر اپنی دل چسپی قائم نہیں رکھ سکتا۔ سوال و جواب سے مقالہ نگار کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ اپنی بات کے ابلاغ میں کتنا

کامیاب رہے۔اور یہ کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔اپنے مقالے کی قدر و قیمت پر کھنے کا موقع مل جاتا ہے۔نیز اضافی نکات اور خیالات بھی حاصل ہوتے ہیں۔

علمی کانفرنسوں میں اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مقررین اپنے مقالات کو مقررہ وقت میں ختم نہیں کر پاتے۔وہ اپنے مقررہ وقت سے زیادہ وقت لے لیتے ہیں جس سے دیگر مقررین کی حق تلفی ہو جاتی ہے۔مزید یہ کہ سامعین بھی بیس منٹ کے بعد تقریر میں دل چسپی کھونے لگتے ہیں۔اس کانفرنس میں بھی یہی مشاہدہ ہوا کہ اکثر مقررین بلا ضرورت سید احمد شہید کی داستان اول تا آخر بیان کرنے لگتے جو سامعین کو ازبر ہو چکی تھی، لیکن جب اپنے مقالے کے مرکزی موضوعات کی طرف آتے تو ان کے پاس وقت کی کمی ہو جاتی۔ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم نے پاور پوائنٹ پریزینٹیشن تیار کی تھی اور اس کی مشق بھی کی تھی کہ پندرہ منٹ میں یہ مکمل پیش کیا جا سکے۔مقالہ انگریزی میں تھا اور پریزنٹیشن بھی انگریزی میں تھی۔راقم کے مقالے کا عنوان تھا:

''An Analysis of the Effects and Implications of Sayyad Ahmad Shahid's Movement of Jihad for the Revival of the Political Islam: A Continuous Struggle in its Different Forms''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں نے سید صاحب کی داستان دہرائے بغیر یہ بتانے کی کوشش کی کہ سید صاحب کی تحریک کا نظریاتی اور حکمت عملی کا جامع تجزیہ کرنے کی آج بھی ضرورت ہے، کیونکہ آج بھی یہ تحریک سیاسی و دینی تحریکات کے لیے، خصوصاً برصغیر میں، سب سے بڑے محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔میں نے عرض کیا کہ سید صاحب کی تحریک شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل کے نظریات سے مولود ہوئی۔برصغیر کے بعد پوری دنیا میں غلبۂ اسلام اس کا مطمح نظر تھا۔پنجاب میں سکھوں کے ظلم وستم کا استیصال اس کا اولین ہدف تھا۔یہ تحریک مسلح جدوجہد سے شروع ہوئی، بالاکوٹ میں سید صاحب اور آپ کے قریبی احباب کی شہادت کے بعد بھی کافی عرصہ مسلح جدوجہد جاری رہی۔۱۸۵۷ء کے بعد یہ تعلیمی جدوجہد میں تبدیل ہوئی اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء، اہل حدیث کے مدارس وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئی جو اپنے طلبا میں جہاد کی آبیاری کرتے رہے۔کانگریس کے قیام کے بعد یہ تحریک سیاسی جدوجہد میں تبدیل ہوئی۔پہلے جمعیت علمائے ہند اور پھر جمعیت علمائے اسلام کی صورت میں اس تحریک کے لواحقین دو الگ راستوں کے راہی بنے۔جمعیت علمائے ہند نے، ہندوستان کے نئے سیاسی منظر نامے کے معروضی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے نظریے سے دست بردار ہو کر مشترکہ قومیت اور جمہوریت کے اندر سیکولرازم کے ذریعے سے مذہبی آزادی کے خیالات کو اپنا لیا۔لیکن جمعیت علمائے اسلام، سید صاحب کے نظریے سے زیادہ قریب

رہی۔ اس نے مسلم لیگ کے الگ وطن کی جدوجہد میں اسلامی سلطنت کا خواب پھر سے استوار ہوتے دیکھا تو اس میں شامل ہوگئی۔ قیام پاکستان کے بعد، حکومتوں کے اسلام نافذ کرنے سے گریز کی روش کی وجہ سے یہ تحریک آئینی جدوجہد میں تبدیل ہوگئی۔ پھر یہ بتدریج جارحانہ ہوتی چلی گئی۔ تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ سے یہ احتجاج میں تبدیل ہوئی اور تحریک نفاذ شریعت اور طالبان کی صورت میں پھر سے مسلح ہوگئی۔ یوں دیکھیے تو سید صاحب کی تحریک تاریخ کا چکر کاٹ کر پھر اسی نقطہ پر کھڑی ہوگئی جہاں سے چلی تھی۔

راقم نے اپنا تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سید صاحب کی تحریک کی بنیاد حکومت الٰہیہ کے قیام، نجی جہاد، امامت اور شاہ عبدالعزیز کے دارالحرب کے فتویٰ پر تھی۔ عرض کیا کہ مسلمانوں کے لیے حالت اقتدار میں نفاذ شریعت فرض ہے، لیکن نفاذ شریعت کے لیے حصول ریاست فرض یا واجب نہیں۔ بالکل اسی طرح، جیسے صاحب مال کے لیے ادائیگی زکوٰۃ فرض ہے، لیکن ادائیگی زکوٰۃ کے لیے کسب مال فرض یا واجب نہیں۔ نیز نجی جہاد کا کوئی تصور اسلام میں نہیں۔ جہاد امامت اور ریاست کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ جہاد کی اجازت اور احکامات ہجرت مدینہ کے بعد نازل کیے گئے ہیں، اس لیے جہاد و قتال سے متعلق تمام آیات کو ریاست مدینہ کے قیام کے بعد کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ مزید عرض کیا کہ حکومت کی کوتاہی سے اگر حدود کا نفاذ نجی شعبہ کے حوالے نہیں کیا جا سکتا تو جہاد کو کیونکر نجی شعبہ کے حوالے کیا جا سکتا ہے؟ دارالحرب کے فتویٰ کے ضمن میں عرض کیا کہ کسی جگہ کا دارالحرب قرار پا جانے کے بعد پہلا تقاضا ہجرت ہوتا ہے، لیکن ہمیں اس وقت کے ہند کے مسلمانوں یا کم از کم پنجاب کے مسلمانوں سے اس کا مطالبہ نظر نہیں آتا۔ لاکھوں مسلمانوں میں سے زیادہ سے زیادہ پندرہ سو مسلمانوں نے سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی تھی جو کہ انتہائی ناکافی تعداد ہے۔

سید صاحب کے طریقۂ کار میں نوٹ کیا گیا کہ آپ نے جہاد پہلے شروع کیا (اکوڑہ کا شب خون)، بیعت امامت بعد میں لی (جب دیکھا کہ مقامی مجاہدین جنگ کے بجائے مال غنیمت لے کر چلتے بنے اور اس کی شرعی تقسیم پر آمادہ نہ ہوئے)، اس کے بعد ریاست کے حصول کی کوشش کی اور اس کے بعد لوگوں پر شریعت کا نفاذ کرنے کی کوشش کی جو اس کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ترتیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل برعکس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے لوگوں نے اپنا امام پہلے تسلیم کیا، پھر خود سے ریاست مہیا کر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مرضی سے ان پر شریعت نافذ کی، اور جہاد سب سے آخر میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے دشمن کے مقابلے میں عددی قوت کے فرق کو نظر انداز کیا۔ آپ کے پاس قابل بھروسا جنگجوؤں کی تعداد ۱۵۰۰ سے زیادہ نہ تھی، جو پوری طرح مسلح بھی نہ تھے اور بنیادی ضروریات کی تکمیل سے بھی تہی تھے۔ جبکہ سکھوں کی صرف سرحدی فوج ۸۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰ تک

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تھی۔ راقم نے عرض کیا کہ سید صاحب کی اس پر اثر تحریک کا درست تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ مستقبل کے اولوالعزم مسلمان نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اسلام کی خدمت میں بہتر طور پر استعمال کیا جا سکے۔

سامعین کے لیے میری یہ تنقید غیر متوقع تھی۔ پریزنٹیشن کے بعد سوالات کی گویا بوچھاڑ ہو گئی۔ جن کے جوابات دیے گئے۔ ایک سوال یہ کیا گیا کہ کشمیر، فلسطین اور برما وغیرہ میں جو ظلم ہو رہا ہے، اس پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ عرض کیا کہ قرآن نے اس کی رہنمائی وضاحت سے کی ہے۔ اگر ظلم غیر مسلم ریاست کی طرف سے ہو رہا ہو تو ایک مسلم ریاست اس کے سد باب کے لیے اپنے وسائل اختیار کرے گی اور یہ اس پر فرض ہے۔ لیکن اگر وہ اس غیر مسلم ریاست کے ساتھ معاہدہ کی حالت میں ہے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد بھی نہیں کر سکتی، سوائے اس کے کہ معاہدہ علی الاعلان ختم کر دے۔ ایک صاحب نے کہا کہ 'الحرب خدعة' کہ جنگ تو دھوکا ہے، تو معاہدۂ امن کے ہوتے، اندرون خانہ اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا جائز ہے؟ اس پر عرض کیا کہ 'الحرب خدعة' (جنگ دھوکا ہے) ہے نہ کہ 'الامن خدعة' (امن دھوکا ہے)۔ اسلام میں معاہدہ کی پاس داری کو فوقیت حاصل ہے۔ آپ نے مدد کرنی ہے تو معاہدۂ امن علی الاعلان ختم کرنا ہوگا۔ دنیا مسلمانوں کو دھوکے باز نہ سمجھے، یہ زیادہ اہم ہے۔ میرے ہم سفر ڈاکٹر ریاض سعید نے سوال کیا کہ قرآن کی آیت، 'مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ . . .' تو ہمیں حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے طور پر جائیں اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں؟ اس پر عرض کیا کہ یہ آیت ریاست مدینہ سے مخاطب ہے۔ اور آج بھی اس کا مخاطب ریاست ہی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مظلومیت تو دور مکی میں بھی تھی، لیکن مظلوموں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم نہیں آیا۔ اس کے بجائے ہجرت حبشہ کا حکم دیا گیا قتال کا نہیں۔ قتال کا حکم تب ہی آیا جب تک کہ مدینہ میں ریاست حاصل نہ کر لی گئی۔ ایک پروفیسر صاحب نے سوال کیا کہ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کے بارے میری کیا رائے ہے، وہ بھی تو کچھ جنگجوؤں کے ساتھ آیا اور سلطنت قائم کر لی؟ عرض کیا کہ بابر نے جو کیا، اسلام کے نام پر نہیں کیا۔ اپنے سیاسی مفادات کے تحت کیا۔ جبکہ سید صاحب نے جو کیا اسلام کے نام پر کیا۔ تو جو اسلام کا نام لے تو اس کے کام کو جانچنے کا معیار مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک طالبہ نے سوال کیا کہ کیا سید صاحب کو فریڈم فائٹر نہ سمجھا جائے؟ عرض کیا کہ آزادی کی جنگ تو انھوں نے لڑی، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں سقم ہیں۔

سوالات کا سلسلہ تھم نہیں رہا تھا کہ چیئرمین صاحب نے چائے کے وقفے کا اعلان کر دیا جس سے امید ہوئی کہ ماحول کی حرارت چائے کی حرارت سے کچھ زائل ہو جائے گی۔ چائے کے وقفے کے دوران بھی میرے مقالے پر سوالات اور تبصروں کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نہ صرف میرے نکات اعتراض کا تحمل کیا گیا، بلکہ بہت سے افراد نے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ سوات سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے جو جمیعت علمائے اسلام سے

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

وابستہ تھے، مجھے طالبان کے بارے میں اپنے ذاتی حالات سناتے رہے جو رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھے۔ میرے بعد آنے والے مقالہ نگاروں نے اپنے مقالے کے ساتھ ساتھ میرے مقالے پر اپنا تبصرہ کرنا بھی ضروری سمجھا۔

اگلے مقالہ نگار میرے ساتھی ڈاکٹر ریاض سعید تھے۔ انھوں نے مختلف تاریخی شواہد سے سید صاحب کی تحریک کے افراد کا تحریک پاکستان کے ساتھ براہ راست تعلق ثابت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ سید صاحب کی تحریک کی بدولت دوقومی نظریہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ کے پی کے کے ریفرنڈم میں اس تحریک کے لوگوں نے مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔

اگلے دن مرکزی اجلاس میں مہمانان خصوصی نے جو مقالہ جات پڑھے، وہ بھی تحقیقی کم اور تبصراتی اور جذباتی زیادہ تھے۔ تاہم، کراچی سے تشریف لائی ہوئی محترمہ پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر صاحبہ کا مقالہ خالص تحقیقی مقالہ تھا۔ انھوں نے سید صاحب کی تحریک کا سماجی اور سیاسی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا تھا اور ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں میں شعور کی بیداری میں ان کی خدمات کو سراہا تھا۔ اسی مرکزی اجلاس میں مہمان مقرر، مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک نہایت اہم کلیہ ارشاد فرمایا، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت و کمزوری کے لحاظ سے تین حالتیں درپیش ہوئیں۔ پہلی جب آپ کمزور تھے اور دشمن طاقت ور، دوسری جب آپ اور آپ کے دشمن طاقت میں تقریباً برابر سرابر تھے اور تیسری جب آپ غالب اور دشمن مغلوب تھا۔ تینوں حالتوں کی سنت مختلف ہے۔ ہم مسلمانوں سے غلطی یہ ہو جاتی ہے کہ ہم ایک حالت میں ہوتے ہوئے دوسری حالت کی سنت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کمزوری کی حالت میں برابری یا غالب حالت کی سنت اپنانے سے مسلمانوں نے اسلام کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور خود کو بھی۔ یوں وہ ایسے گھن چکر میں پھنس گئے ہیں کہ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔

اس کے بعد ہمیں اسی طرح مختلف کمروں میں بھیج دیا گیا۔ راقم جس کمرے میں تھا، وہاں ایک مقالہ نگار (نام فراموش ہو گیا) نے سید صاحب کی تحریک کے شاعری پر اثرات پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ تاہم مقالہ مطالعہ کی کمی کا مظہر تھا جس پر اہل علم سامعین نے ان کی توجہ دلائی۔ جسے انھوں نے خندہ جبینی سے تسلیم کیا۔ اس کے بعد دو نوجوان اسکالرز نے محفل کو اپنے حصار میں لیے رکھا۔ ان میں سے پہلے آنے والے شعبہ بین الاقوامی تعلقات ہزارہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر عادل سیماب نے یہ تھیسز پیش کیا کہ وہابی تحریک، سید صاحب کی تحریک مجاہدین، فرائضی تحریک، اور اب موجودہ تحریک طالبان میں ایک چیز مشترک ہے کہ ان تمام تحاریک نے استعمار کو مضبوط کرنے اور سامراجیت کے اہداف حاصل کرنے میں اپنی قوت صرف کی۔ وہابی تحریک نے خلافت عثمانیہ کو کمزور کیا، سید صاحب کی تحریک نے انگریزوں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کے حریف سکھوں سے لڑائی کی، فرائضی تحریک نے ہندو جاگیرداروں کے خلاف حکومت انگلیشیہ کو مضبوط کیا۔ اور طالبان نے پہلے روس کو توڑ کر امریکہ کو تقویت پہنچائی اور اب افواج پاکستان کے خلاف لڑ کر امریکی ایجنڈا ہی پورا کر رہے ہیں۔ حاضرین نے مقالہ نگار کو آڑے ہاتھوں لیا۔ تاہم ڈاکٹر عادل تحمل آمیز مسکراہٹ کے ساتھ حاضرین کو جواب دیتے رہے۔ ان پر ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ آپ آج کے دور میں رہ کر اس وقت کے حالات کا تجزیہ کیسے کر سکتے ہیں۔ راقم کے نزدیک یہ اعتراض نامناسب تھا۔ اگر اس تحریک کی تحسین کرنے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاتا تو تنقید کرنے پر بھی یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ نیز کسی بھی واقعے کا تجزیہ اس کے گزرنے کے بعد ہی کیا جانا ممکن ہے۔ ڈاکٹر عادل نے اس کا یہ جواب دیا کہ انھوں نے یہ تجزیہ اس وقت کے بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کیا ہے، آج کے حالات کے تناظر میں نہیں کیا۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ ایک چبھتا ہوا سوال یہ کیا گیا کہ آپ ان تحاریک کا تعلق استعمار کے ساتھ ثابت کیجیے یا اپنی بات سے دست بردار ہو جائیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ یہ اعتراض درست نہیں۔ تحقیق کا ایک انداز یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی مظہر کو اس کے اثرات کی روشنی میں پرکھا جائے۔ اور محقق نے یہی کیا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ان خفیہ روابط کا سراغ بھی لگائے جو ان تحاریک اور استعماری طاقتوں کے مابین ہو سکتے تھے۔ نیز مقالہ نگار نے کسی خفیہ رابطے کا الزام بھی نہیں لگایا تھا، بلکہ صرف یہ کہا تھا کہ ان تحاریک سے استعمار کو بہرحال فائدہ ہوا ہے۔ منتظمین نے سوالات کی کثرت کے پیش نظر سوالات کے سلسلہ کو منقطع کر کے اگلے مقالہ نگار کو موقع دیا۔

یہ بھی ایک نوجوان ریسرچ اسکالر محمد حنیف تھے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سید صاحب کا مقصد بیرونی تسلط سے ہندوستان کی آزادی تھی جس کے بعد وہ اقتدار کو ہندوستانیوں کو بلاامتیاز دین وملت سونپ دینا چاہتے تھے۔ وہ شاہ ولی اللہ کے فکری نظام کو عملی جامہ پہنانے نکلے تھے۔ اس فکر کے اصل وارث متحدہ قومیت کے علم بردار، مولانا عبید اللہ سندھی جمیعت علمائے ہند تھے۔ جمیعت علمائے اسلام اس فکر سے منحرف ہوئی۔ اس مقالہ نگار پر بھی تابڑ توڑ سوالات کیے گئے۔ ایک سوال میں نے یہ کیا جیسا کہ محقق نے تسلیم کیا تھا کہ سید صاحب شاہ ولی اللہ کے نظریات سے متاثر تھے تو شاہ ولی اللہ تو کسر شوکت الکفر کے قائل ہیں (جس کے حوالہ جات راقم نے اپنے مقالے میں بھی دیے ہیں)، اس کے مطابق شاہ ولی اللہ، خدا کی زمین پر کفر کی حکومت کا قائم ہونا اور رہنا جائز نہیں سمجھتے۔ وہ غیر مسلموں کے لیے برسراقتدار ہونا اسی صورت میں جائز سمجھتے ہیں، جبکہ وہ مسلمانوں کی تابع داری میں ہوں۔ اس لحاظ سے سید صاحب کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہندوستانیوں کو بلاامتیاز اقتدار سونپنے کا ارادہ رکھتے تھے، درست نہیں ہو سکتا، یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بات سید صاحب کے بعض خطوط کے بھی خلاف ہے جس میں انھوں نے ہندوستان کی سرزمین سے کفروشرک کے خاتمے کو اپنا مقصد بتایا تھا۔اس طرح دیکھا جائے تو شاہ ولی اللہ کے مطابق ہندوستان میں، بلکہ ساری دنیا میں مسلمان اور غیر مسلم کا تعلق برابری کا نہیں، بلکہ متحارب اور حاکم اور محکوم کا بنتا ہے۔اس پر مقالہ نگار نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جس پر میں نے انھیں ''حجۃ اللہ البالغہ'' سے رجوع کا مشورہ دیا۔ایک اور سوال میرے ساتھی ڈاکٹر ریاض سعید، جن کا مقالہ موجودہ مقالہ کا مکمل عکس (antithesis) تھا، نے یہ کیا کہ سید صاحب کی تحریک کے نتیجے میں بھارت آزاد ہوا یا پاکستان بنا؟ اس سوال کا جواب محقق نے ذرا مبہم انداز میں دیا۔آخر وہ پاکستان میں بیٹھ کر پاکستانیوں کی 'مثالی رواداری' کے اعصاب کو اور کتنا آزماتے۔

ان مقالات کے اختتام پر ہمیں واپس مرکزی ہال میں لے جایا گیا جہاں شرکا کو اعزازی شیلڈز دی گئیں۔ اختتامی خطابات ہوئے۔منتظم اعلیٰ ڈاکٹر منظور حسین نے بتایا کہ انھوں نے اور ان کی ٹیم نے دن رات کس انتھک محنت سے اس بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا۔شرکا نے انھیں اس کامیاب کانفرنس کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی۔

کانفرنس میں مجھے ایک بار پھر یہ احساس ہوا کہ ہمارے ہاں عام طور پر تحقیقی مزاج کی کمی ہے۔کانفرنس میں بھی اکثر مقالات تحقیقی کم اور قصیدے کی زبان میں لکھے ہوئے خطبے زیادہ محسوس ہوئے۔معذرت کے ساتھ، مگر مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس مزاج کی تشکیل اور ترسیل میں ہمارے بزرگ اساتذہ کا دخل ہے جو خود غیر جذباتی تحقق کی بنیادیں تعمیر کر سکے نہ اس اگلی نسل میں اس کی تشکیل کر سکے۔تاہم کچھ نوجوان اسکالرز نے کسی حد تک اس کمی کا ازالہ کیا۔

ہمارے گروپ میں مختلف مسالک کے علما اکٹھے ہو گئے تھے۔ہم جب جماعت کراتے تو کبھی کوئی اہل حدیث صاحب امامت کراتے تو کبھی کوئی حنفی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ اہل حدیث صاحب کی امامت میں حنفی مقتدی نے اکہری اقامت کہی اور رفع یدین بھی کیا۔

اس کے بعد اگلے دن کا پروگرام بالاکوٹ، ناران اور کاغان وغیرہ کی سیر کا تھا، لیکن مجھے اپنے چنومنو (میرے بچے) یاد آرہے تھے۔ بہت عرصے بعد ان سے دو دن کے لیے دور ہوا تھا۔سو میں نے مزید قیام سے معذرت کی۔ ڈاکٹر منظور حسین کے حکم پر خصوصی گاڑی کے ذریعے سے راقم اور ڈاکٹر فرحان راؤ کو مانسہرہ تک چھوڑا گیا۔وہاں سے ہم نے واپس پنڈی کی راہ لی۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رضوان اللہ

تعدد ازواج کی آیت کا مطالعہ

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

زمین پر انسانی آبادی کس طرح شروع ہوئی، اس کے بارے میں ایک سے زائد امکانات فرض کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن کے مطابق یہ سلسلہ ایک مرد و عورت، یعنی آدم و حوا سے شروع ہوا جو اپنی ساخت میں مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے تھے۔[1] اس آغاز کے بعد آبادی بڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا تھا کہ مرد و عورت آزادانہ طور پر باہمی ملاپ کرتے، مگر انسان چونکہ معاشرت پسند کے ساتھ ساتھ اخلاق پسند بھی واقع ہوا ہے، اس لیے اُس نے ایسا نہیں کیا اور بالعموم آپس میں جوڑے بنا کر اس عمل کو پورا کیا۔

بہت سے مرد و عورت موجود ہوں تو ان کے درمیان میں جوڑا بنانے، یعنی نکاح کرنے کی ایک سے زیادہ صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں:

۱۔ ایک مرد اور ایک عورت

۲۔ کئی مرد اور کئی عورتیں

۳۔ ایک عورت اور کئی مرد

۴۔ ایک مرد اور کئی عورتیں[2]

انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کو سامنے رکھا جائے اور نکاح کے نتیجے میں بننے والے خاندان کا بھی لحاظ

۱؎ النساء ۴: ۱۔

۲؎ اصطلاح میں ان چاروں صورتوں کو بالترتیب یوں بیان کیا جاتا ہے: Monogamy, Polyamory, Polyandry and Polygny

رہے تو ان تمام صورتوں میں پہلی صورت ہی موزوں ترین ہے۔ اس لیے کہ نکاح صرف خواہشات کی تسکین اور نسل بڑھانا نہیں ہے، بلکہ یہ دو ہستیوں کا میل اور خاندان کا ایک ادارہ بھی وجود میں لانا ہے۔ اس کے نتیجے میں جذباتی اور اخلاقی قدریں پیدا ہوتیں اور فریقین کے مابین کچھ نئے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ پھر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوتی ہے کہ جن کے یہ ماں اور باپ قرار پاتے ہیں۔ انھیں اولاد کی پرورش کرنی ہے، ان کی تربیت کی ذمہ داری اٹھانی ہے اور اس کے لیے ایثار اور محبت کی بہت سی مثالیں بھی رقم کرنی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ملحوظ رہیں تو ایک مرد کا ایک عورت سے نکاح ہی قابل رشک ٹھیرتا اور اسی کے ذریعے سے صالح معاشرت وجود پذیر ہوتی ہے۔ لہٰذا، پروردگار عالم نے بھی جب آدم کی تخلیق کی تو اس کے لیے دو تین اور چار نہیں، بلکہ ایک حوا بنائی، جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر الہامی صحیفوں میں اس کا ذکر موجود ہے[۳]۔ بلکہ انبیاے کرام کے بارے میں بھی دستیاب معلومات یہی بتاتی ہیں کہ آدم سے لے کر آخری نبی تک، ہر ایک نے اپنا گھر بسانے کے لیے ایک وقت میں ایک ہی عورت سے شادی کو ترجیح دی۔

جہاں تک دوسری اور تیسری صورت کا تعلق ہے تو وہ ان سب حکمتوں سے متصادم ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ جب مرد و عورت ایک ہی وقت میں کئی کئی بندھنوں میں بندھے ہوں گے تو اس کے نتیجے میں ایک خاندان کے بن جانے کی توقع کرنا بالکل عبث ہو گا۔ اسی طرح ایک عورت جب کئی مردوں کے ساتھ نکاح کرے گی تو اب بھی نہ ایک خاندان بن پائے گا اور نہ وہ اُن ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کر پائے گی جو مرد و عورت کے خلقی تفاوت کی بنا پر اسی کو ادا کرنی ہیں اور کسی دوسرے خاندان کو شامل کیے بغیر ادا کرنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صورتوں کو خدا کے دین میں کبھی بھی جائز نہیں ٹھیرایا گیا[۴]۔

اب رہی آخری صورت تو اس کے بارے میں یہ تو طے ہے کہ یہ کوئی مطلوب صورت نہیں، تاہم تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں کم یا زیادہ، اس کا رواج موجود رہا۔ اس کا باعث بعض اوقات تمدن کی ضرورتیں ہوئیں اور کبھی لوگوں کے سیاسی، نفسی اور سماجی مصالح اس کے داعی ہوئے۔ بلکہ بعض انبیا علیہم السلام کے ہاں اس معاملے میں جو استثنا دکھائی دیتا ہے تو اس کے پیچھے بھی کچھ اسی طرح کی مصلحتیں کارفرما رہیں۔ مثال کے طور پر، سیدنا ابراہیم کی دوسری شادی اولاد کے حصول کے لیے اور ان کی پہلی زوجہ، حضرت سارہ کی خواہش پر ہوئی۔ سیدنا یعقوب کے معاملات بھی

۳؎ کتاب پیدایش باب ۲ آیت ۲۲۔

۴؎ اور اس تیسری صورت کے بارے میں واضح طور پر ممانعت بھی بیان کر دی گئی: النساء ۴: ۲۴۔

www.javedahmadghamidi.com

ذرا سے فرق کے ساتھ اسی طرح وقوع پذیر ہوئے۔[۵] حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد نکاح کیے تو اس کے پیچھے بھی نفسانی خواہشات اور ترغیبات نہیں تھیں، بلکہ آپ کی اخلاقی اور نبوی حیثیت اور اس سے پیدا ہو جانے والے بعض تقاضے اس کا باعث تھے۔[۶] غرض یہ کہ اس طرح کی بعض وجوہات تھیں کہ کسی الہامی کتاب میں تعدد ازواج پر کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ چنانچہ آج بھی دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ تورات ہو یا انجیل اور زبور، ان سب میں اس کے متعلق کوئی ممانعت موجود نہیں ہے اور یہ سب اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

قرآن مجید نے بھی دیگر الہامی کتابوں کی طرح خاص اس مسئلے پر کوئی کلام نہیں کیا، نہ اس کے اثبات میں اور نہ اس کی نفی میں۔ تاہم اس کے نزول کے وقت حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ یہ مسئلہ ضمنی طور پر زیر بحث آ گیا۔ قرآن کا وہ مقام کہ جس میں اس کا ذکر ہوا، ذیل میں ہم اس کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا. (النساء ۴: ۳)

''اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمھارے لیے موزوں ہوں، ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو یا پھر لونڈیاں جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ بے انصافی سے بچے رہو۔''

یہ آیت اُس سلسلۂ کلام میں آئی ہے جس میں یتیم بچوں کی نگہداشت کے بارے میں ان کے سرپرستوں کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔ مثلاً، ان بچوں کی دیکھ بھال کس طرح کی جائے، ان کے مال کے بندوبست میں کس درجہ احتیاط اور خیر خواہی سے کام لیا جائے اور ان کے معاملات میں جو مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا تدارک کس طرح ہو۔ اسی رعایت سے یتیم بچوں کے ان سرپرستوں سے خطاب ہے جو جی جان سے ان کی دیکھ بھال کرنا چاہیں، لیکن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے یا اپنے اہل و عیال اور ان کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں۔ انھیں ہدایت فرمائی ہے کہ وہ سہولت اور آسانی کے پیش نظر ان یتیموں کی عورتوں کو، جو ان کی مائیں بھی ہو سکتی ہیں اور شادی کے قابل ان کی بہنیں بھی، اپنے ساتھ شریک کر لیں۔[۷] اس طرح کہ ان میں سے جن کو موزوں خیال کریں، ان دو دو، تین تین اور چار چار

۵۔ کتاب پیدایش باب ۱۶ آیت ۲-۳، کتاب پیدایش باب ۲۹ آیت ۲۸-۳۰۔ باب ۳۰ آیت ۳-۴، ۹۔

۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے بارے میں تفصیل اس مضمون میں دیکھ لی جا سکتی ہے: ازواج مطہرات، از جاوید احمد غامدی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے نکاح کر لیں۔

یہ آیت کا سیدھا اور صاف مفہوم ہے جو بادی النظر میں ہمارے سامنے آتا ہے اور اسے مولانا اصلاحی نے ''تدبر قرآن'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[8] لیکن بعض کبار مفسرین اس آیت کو مختلف طریقے سے دیکھتے اور اس سے ہٹ کر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے چند معروف مطالب کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنے زیر کفالت یتیم بچیوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ ذہن میں یہی ہوتا کہ ان کے حسن و جمال اور مال سے تو فائدہ اٹھائیں گے، مگر ان کے واجبی حقوق ادا نہ کریں گے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اگر اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر کے انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتیں دنیا میں موجود ہیں، ان میں سے جو تمھیں پسند آئیں ان کے ساتھ نکاح کر لو۔ گویا اصل بات یتیم بچیوں پر ظلم نہ کرنے کی ہے اور اس کا حل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے شادی کر لی جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۔ ایک ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا۔ اس سے جب اس کے مصارف بڑھ جاتے تو وہ مجبور ہو کر یتیموں کے حقوق پر دست درازی کرتا۔ اس پر فرمایا کہ اگر اس ناانصافی کا تمھیں اندیشہ ہو تو ایک سے لے کر چار تک اتنی بیویاں کرو جس کے ساتھ تم عدل پر قائم رہ سکو۔ یعنی اس رائے میں بھی اصل زور یتیموں پر ظلم نہ کرنے پر ہے، مگر اس کا حل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔

۳۔ عہد جاہلیت میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں لوگ متنبہ تھے، مگر عورتوں کے معاملات میں بے پروا تھے۔ انھیں حکم ہوا کہ جب تم یتیموں کے ساتھ ناانصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو عورتوں کے ساتھ ناانصافی کرنے سے بھی ڈرو۔ دوسرے لفظوں میں، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یتیموں پر کوئی ظلم ہو رہا ہے، بلکہ ان پر ظلم کرنے سے لوگ بچتے ہیں، چنانچہ اس بات کا حوالہ دے کر فرمایا ہے کہ تم عورتوں پر بھی ظلم کرنے سے رک جاؤ۔

آیت کے بارے میں چند ایک چیزوں کا خیال رہے تو آسانی سے ان سب آرا کی کمزوری معلوم ہو جاتی ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں سرے سے نہ یتیموں پر کسی ظلم کے ہونے یا نہ ہونے کا بیان ہے اور نہ خاص ان کی عورتوں

۷۔ گویا یہ وہی بات تھی جس کا مجمل بیان اس سے پہلے ہو چکا تھا: 'وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ'، یعنی اگر تم ان یتیموں کو اپنے ساتھ شامل کر لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔ البقرہ ۲: ۲۲۰۔

۸۔ آیت کے اس مفہوم کو بعد ازاں جاوید احمد غامدی صاحب نے ''البیان'' میں بھی بیان کیا ہے۔

کے بجاے دوسری عورتوں کے مسائل ہی زیر بحث ہیں:

پہلی چیز یہ واضح ہونی چاہیے کہ آیت میں لفظ 'یَتَامٰی' اور 'اِقْسَاط' کے معنی کیا ہیں۔ 'یَتَامٰی' عربی زبان کا معروف لفظ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہوتے ہیں جن کے باپ فوت ہو چکے ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ قرآن میں یہ لفظ اس صورت میں بہت سی جگھوں پر آیا ہے اور ہر جگہ اسی معنی میں آیا ہے، لہٰذا اس کے اصل معنی سے صرف نظر کر کے اس سے صرف یتیم لڑکیوں کو مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ تاہم اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک لفظ بعض اوقات اپنے اندر تخصیص بھی پیدا کر لیتا ہے اور اپنے دیگر افراد کو چھوڑ کر کسی ایک کے ساتھ خاص ہو جایا کرتا ہے، اس لیے اگر 'یَتَامٰی' سے مراد صرف یتیم لڑکیاں لے لی جائیں تو زبان کے لحاظ سے یہ غلط نہیں ہوگا۔ یہ بات صحیح ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ لفظ میں پیدا ہو جانے والی تخصیصات کلام کے اندر موجود کسی نہ کسی قرینے کی محتاج ہوتی ہیں اور زیر بحث آیت میں اس طرح کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو قرائن اس کے خلاف ہیں اور اس کی تعمیم کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک آیت متصل پہلے 'وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ' میں یہی لفظ آیا ہے اور سب کے ہاں مسلم ہے کہ یہ وہاں اپنی تعمیم میں ہے، یعنی یتیم بچوں کے مال ان کے حوالے کر دو۔ چونکہ اس پر ایک الف لام ہے اور زیر بحث آیت 'وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی' میں بھی اس پر الف لام آیا ہے، اس لیے یہاں معرفہ کا اعادہ خود اس بات میں مانع ہے کہ کسی قرینے کے بغیر ان دونوں کے الگ الگ معنی مراد لے لیے جائیں۔ اگر یہ پہلی جگہ یتیم لڑکے اور لڑکیوں، دونوں کے لیے ہے تو اسے دوسری جگہ بھی اسی معنی میں ہونا چاہیے۔

'اِقْسَاط' کے بارے میں یہ تو معلوم ہے کہ اس کا مطلب انصاف کرنا ہے، مگر عربی زبان میں اس انصاف کا ایک اور محل بھی ہے۔ ہم اپنی زبان میں بھی اگر یہ کہنا چاہیں کہ تم نے اس کام کو، جیسا کہ اس کا حق ہے، انجام نہیں دیا تو اس کے لیے ہم کہتے ہیں کہ تم نے اس کام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ آیت میں 'اِقْسَاط' اسی معنی میں آیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اول تو یہ 'اِلٰی' یا 'بَیْنَ' کے بجاے 'فِیْ' کے ساتھ متعدی ہوا ہے اور اس کے بعد 'الْیَتٰمٰی' کا ایک مضاف بھی محذوف ہے۔ اسے بیان کر دیا جائے تو تالیف کلام یوں ہوتی ہے: 'وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِیْ اُمُوْرِ الْیَتٰمٰی'۔ یعنی تمھیں اگر اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کی ذمہ داریاں، جیسا کہ ان کا حق ہے، ادا نہ کر سکو گے۔ غرض یہ کہ آیت میں کسی یتیم یا پھر یتیم لڑکیوں پر ہونے والے کسی ظلم کا بیان نہیں کہ مذکورہ آرا میں سے کوئی راے اختیار کی جائے جو اتفاق سے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سب کی سب 'اِقْسَاط' کے اسی مفہوم پر کھڑی ہیں۔

دوسری بات جو یہاں طے ہو جانی چاہیے، وہ آیت میں موجود شرط اور جزا کے درمیان میں پائی جانے والی مناسبت ہے۔ 'وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی' اور 'فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ'، یہ دونوں فقرے آپس میں شرط اور جزا کے طور پر آئے ہیں۔ اگر 'یَتَامٰی' اور 'اِقْسَاط' کا مطلب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا تو پھر ان آرا میں پائی جانے والی شرط اور جزا کی باہمی مناسبت بے معنی سی ہو جاتی ہیں۔ اب پہلی رائے کے مطابق بات یوں ہو گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو ان کو چھوڑ کر کسی اور عورت سے شادی کر لو۔ دوسری رائے کے مطابق شرط اور جزا یہ مفہوم دیں گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو چار سے زیادہ شادیاں نہ کرو۔ تیسری رائے یوں ہو گی: اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان یتیموں کا حق ادا نہ کر سکو گے تو عورتوں کا بھی حق ادا کیا کرو۔

اصل رائے کی تائید میں چند ایجابی باتیں مزید بھی کہی جا سکتی ہیں:

ایک یہ کہ 'مِنَ النِّسَآءِ' پر ایک الف لام آیا ہے جس کو اگر کھول دیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے یتیموں کی عورتیں ہی مراد ہیں۔ اولاً، یہاں الف لام جنس کے بجائے معہود کے لیے زیادہ موزوں ہے اور سباق کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ 'الْیَتَامٰی' سے معہود قرار پاتا ہے، یعنی ان یتیموں کی عورتیں۔ ثانیاً، اس کے بعد آنے والی آیت میں تاکید کی گئی ہے کہ ان عورتوں کے حق مہر خوش دلی سے ادا کیے جائیں۔ ظاہر ہے، خوش دلی سے ادا نہ کرنے کا مسئلہ یتیموں کی عورتوں کے بارے میں پیدا ہو جانا زیادہ قرین قیاس ہے، اس لیے کہ یہ نکاح اصل میں انھی کے بچوں کی فلاح اور بہبود کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ ثالثاً، لوگوں نے جب اس کے بعد بھی استفسار کیا تو قرآن نے یہاں کے اجمال کو آگے جا کر لفظوں میں بھی کھول دیا ہے۔ فرمایا ہے: 'وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ'[9]، یعنی وہ عورتیں جن کے ساتھ تم نکاح کرنا چاہتے ہو، مگر حق مہر ادا نہیں کرنا چاہتے، ان کے یتیموں کے بارے میں جو ہدایات اس کتاب میں دی جا رہی ہیں، ان کے بارے میں اللہ تمھیں فتویٰ دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آیت میں یتیم بچوں کے اُن سر پرستوں سے خطاب ہے کہ جن کے خیال میں وہ تنہا ان ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر پا رہے۔ ظاہر ہے، ان سے یہی کہنا چاہیے تھا کہ وہ اس کام میں دوسروں کو اپنا شریک کر لیں۔ پھر یہ کام

---

[9] النساء ۴: ۱۲۷۔

بچوں کی نگہداشت اوران کی دیکھ بھال کا تھا،اس لیے مردوں کے بجاے عورتوں کواس میں شریک کرلینا زیادہ موزوں ہوتا۔ نیز وہ عورتیں اگرانھی یتیم بچوں کی رشتہ دار ہوتیں تواس سے پیش نظر مقصد آخری درجے میں پورا ہوجاتا کہ اس سے ان بچوں کی کفالت کا بندوبست تو ہوتا، انھیں اپنا گھر اور خاندان بھی میسر آجاتا اور وہ اس میں اجنبی اور بے سہارا یتیم کی حیثیت میں نہیں، بلکہ ایک رشتے دار کی حیثیت میں رہتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ تم انھی یتیموں کی عورتوں سے نکاح کرلو۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

میر ببر علی انیس

تلقین صبر

۱۔ جیتا نہیں وُہ جس کے مقدّر میں ہے مرنا
مُشکل ہے مگر صبر کی سِل چھاتی پہ دھرنا
آفت تو ہے فرزند کا دُنیا سے گزرنا
اِنسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگِ گُلستانِ جہاں ہے
جس گُل پہ بہار آج ہے کل اُس پہ خزاں ہے

☆

۲۔ کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
کچھ گُل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے
غُنچے بہُت ایسے ہیں کہ کھِلنے نہیں پاتے
بُلبُل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

☆

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۔ مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دِل گیر
جُز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر

☆

۴۔ مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک
اُس گُل پہ گرا دیتے ہیں اب سیکڑوں من خاک
مادر جسے عُریاں نہیں کرتی یہ افلاک
وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
غُربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

(سفینۂ اردو، مرتب: مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی ۱۲۶-۱۲۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org